تعلیم و تربیت

جون 2016

باہمت بچے

(ناول) مکمل

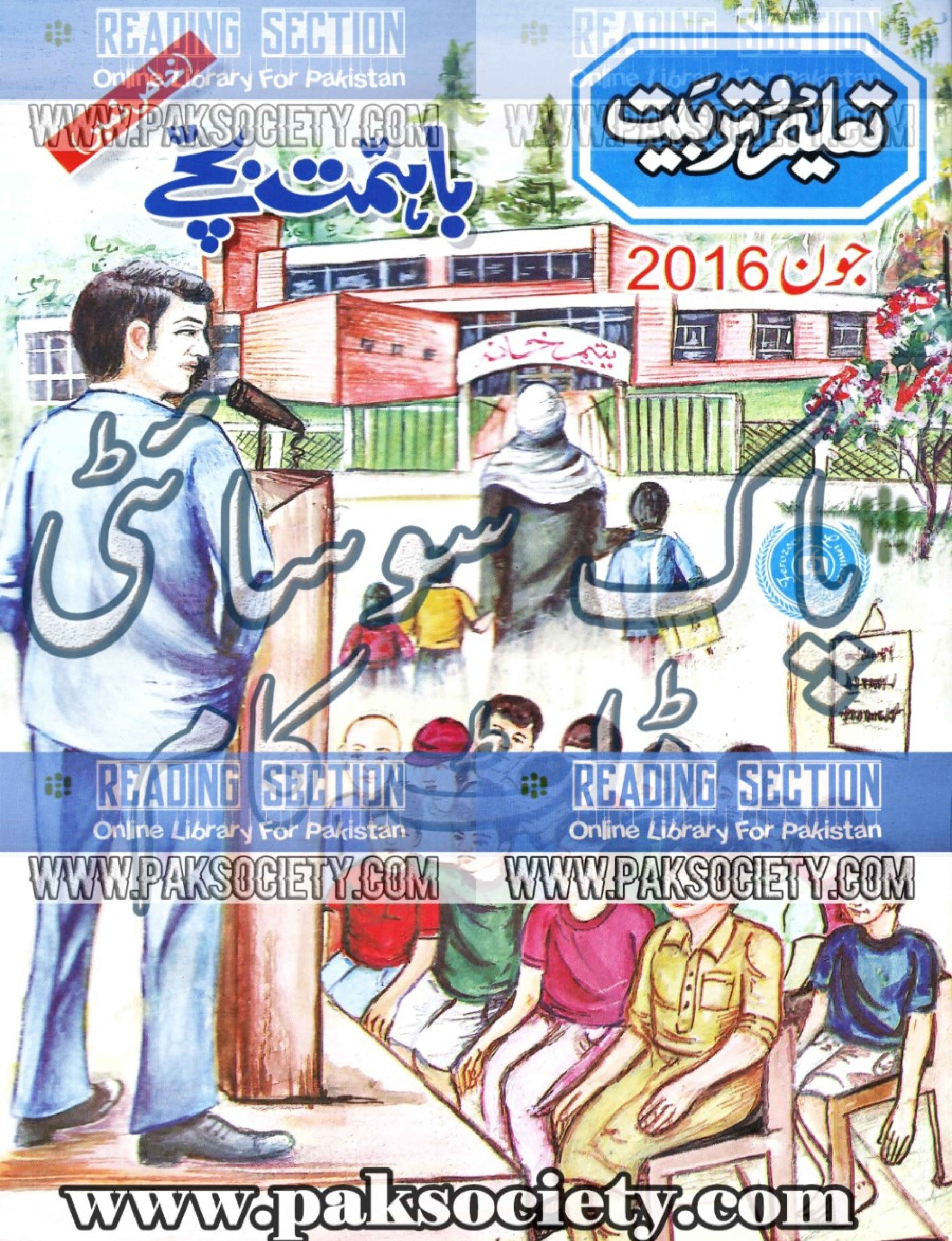

READING SECTION
Online Library For Pakistan
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

بنت سمیرا کی نئی پیش کش

کشمیر مدد سیریز

فیروز سنز کی یوتھ کلب سیریز کے ممبران کے

نئے اور دلچسپ کارنامے

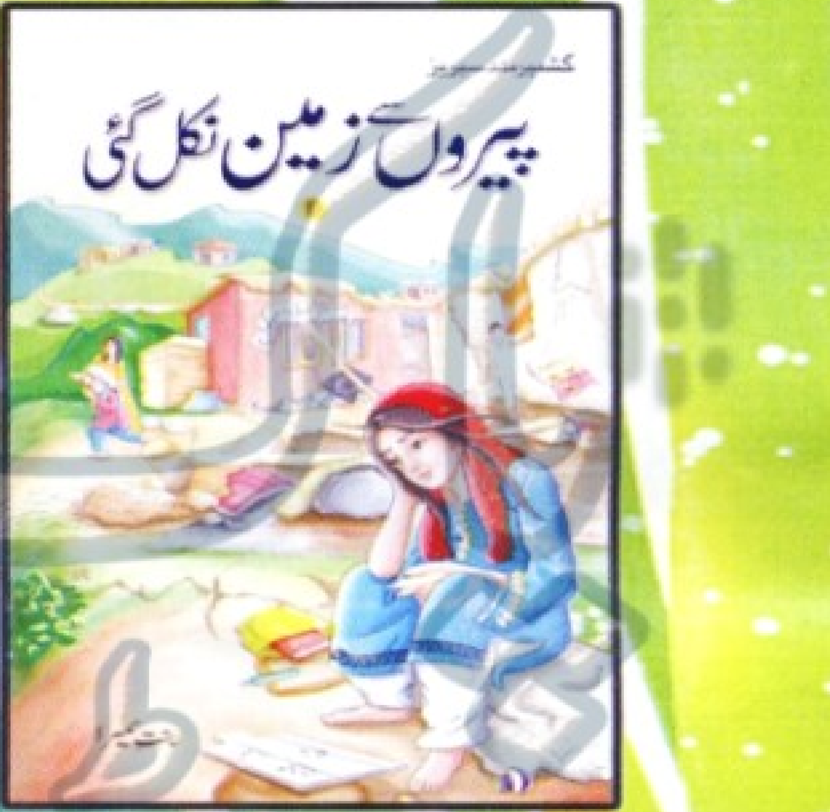
کشمیر مدد سیریز
پیروں سے زمین نکل گئی
بنت سمیرا

کشمیر مدد سیریز
ہمیں جانے دو
بنت سمیرا

کشمیر مدد سیریز
عبدالرحمٰن کی رہائی
بنت سمیرا

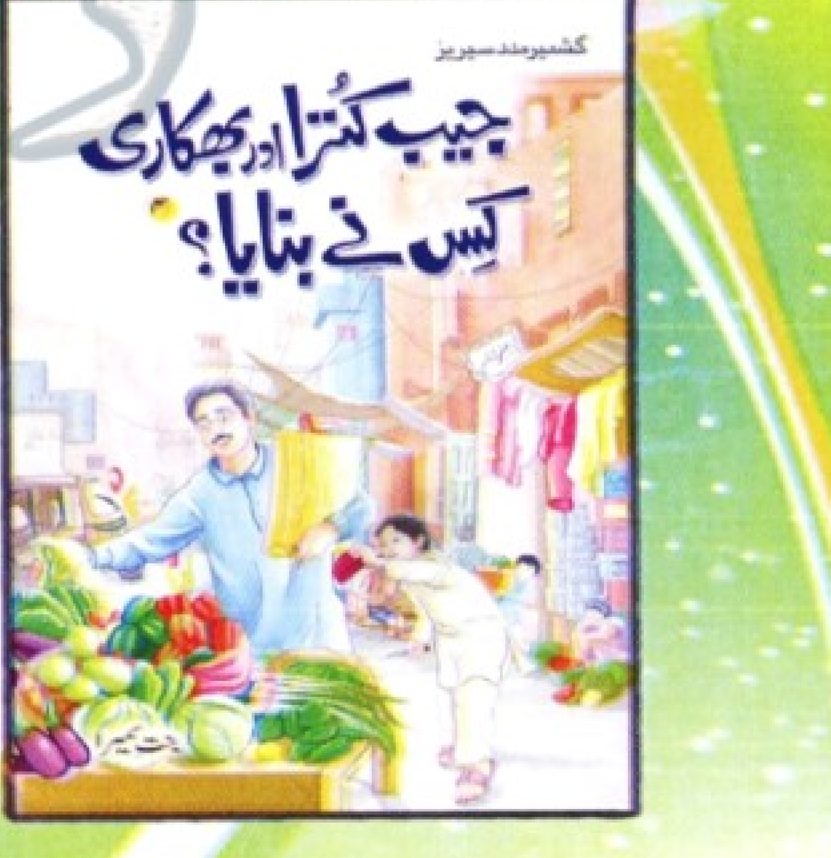
کشمیر مدد سیریز
جیب کترا اور بھکاری کس نے بنایا؟
بنت سمیرا

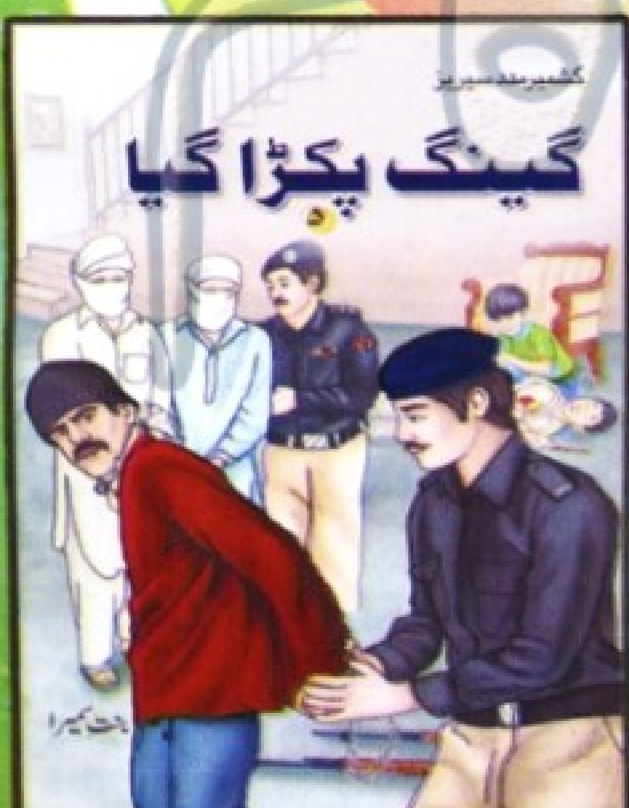
کشمیر مدد سیریز
گینگ پکڑا گیا
بنت سمیرا

فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
لاہور۔ راولپنڈی۔ کراچی

ہدایات برائے آرڈرز

پنجاب: 60۔ شاہراہ قائداعظمؒ، لاہور۔ 042-111-626262
سندھ اور بلوچستان: پہلی منزل، مہران ہائیٹس، مین کلفٹن روڈ، کراچی۔ 021-35867239-35830467
خیبر پختونخواہ، اسلام آباد، آزاد کشمیر اور قبائلی علاقے: 277۔ پشاور روڈ، راول پنڈی۔ 051-5124970-5124879

76واں سال دوسرا شمارہ
رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

تعلیم و تربیت

پاکستان میں سب سے زیادہ پڑھا جانے والا

بچوں کا محبوب رسالہ

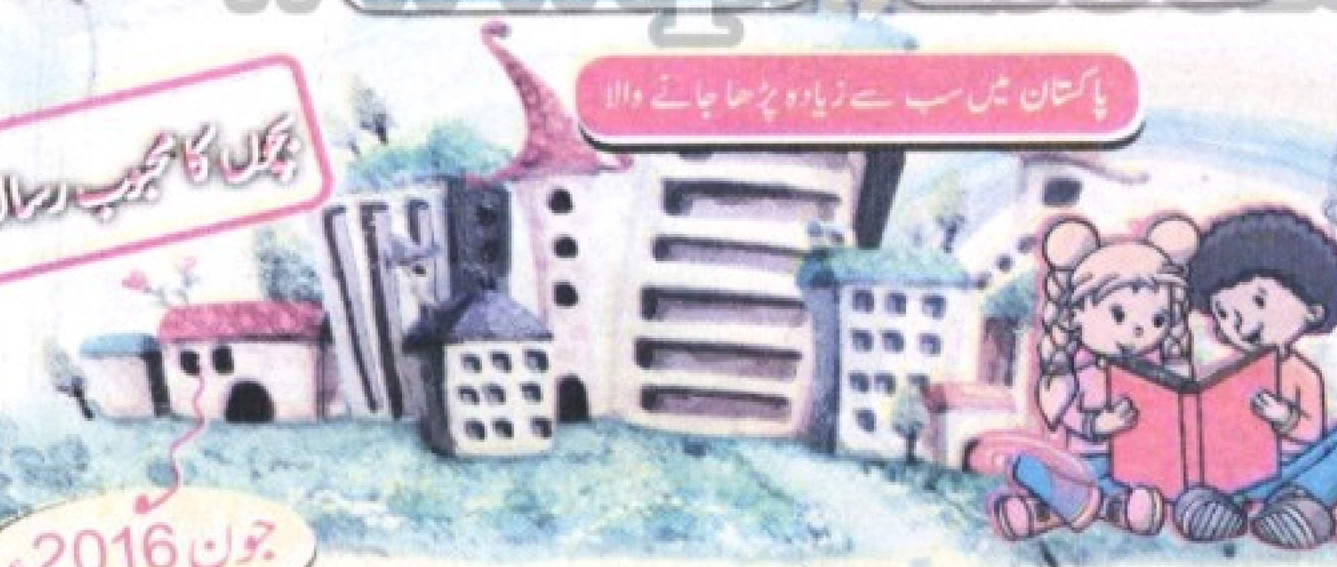

جون 2016ء

اس شمارے میں

ادا ریہ	مدیر	1
حمد و نعت	ریاض حسین قمر	2
درسِ قرآن و حدیث	محمد طیب الیاس	3
یتیم سے دریتیم تک	محمد امین	4
رمضان، رحمتوں اور......	شیخ عبدالحمید عابد	8
پیارے اللہ کے......	راشد علی نواب شاہی	10
ہمتوں کی داستان	عمارہ حسن	12
نگاہ پڑھنے نہ پائے	اختر سردار چودھری	14
دیا میرے لہو سے......	سمیعہ بی بی	16
یتیم، معاشرے کا مظلوم طبقہ	ثروت کنول	18
نظمیں (باہمت نمبر)		20
ہمت سے ملتی ہے منزل	محمد فاروق دانش	22
میری زندگی کے مقاصد	پُرعزم قارئین	25
مختصر مختصر	ننھے لکھاری	26
ضرب المثل کہانی	زبیدہ سلطانہ	28
بچوں کا انسائیکلو پیڈیا	ڈاکٹر طارق ریاض	29
حضرت ابراہیمؑ/ کوپن		31
ذائقہ کارنر		32
تمہاری ہمت کو سلام	ثناء احمد	33
کھوج لگائیے	ننھے کھوجی	36
میں نہ ہاری	رباب وسیم	37
انڈس ڈولفن	عائشہ طاہر	40
میری بیاض سے	پسندیدہ اشعار	42
چاندنی رات میں سانپ	اے حمید	43
آپ بھی لکھیے	ننھے ادیب	47
محمد بن قاسم	غلام حسین میمن	51
دماغ لڑاؤ	ذہین قارئین	54
ایڈیٹر کی ڈاک		55
والد کی دکان	عشرت پروین	57
سنہرا خواب	معظمہ تنویر	60
بنا سکتا ہے خود...... (نظم)	نسرین نکہت سبزواری	63
بلا عنوان		64

اور بہت سے دل چسپ تراشے اور سلسلے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

پیارے بچو! یتیم کے لفظی معنی اکیلے اور منفرد کے ہیں۔ شرع کی رو سے جس بچے کا باپ مرجائے اور وہ بالغ نہ ہو تو اس کو یتیم کہا جاتا ہے۔ وہ بچے جو والدین کے زیرِ سایہ شفقت کی گھنی چھاؤں میں پرورش پاتے ہیں، وہ نہیں جانتے کہ یتیم کون ہے اور اس پر کیا گزرتی ہے۔ ان یتیم بچوں کی زندگی بے حس لوگوں اور بے رحم معاشرے کی وجہ سے انتہائی تلخ ہو جاتی ہے۔ وہ آئے روز طرح طرح کی پریشانیوں اور مصیبتوں کا شکار رہتے ہیں۔ نتیجتاً ان میں سے اکثر بچے تو مایوسی اور بددلی کی وجہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں لیکن ایسے باہمت بچے جو یہ سوچ لیں کہ ہم نے ان سخت حالات کا مردانہ وار مقابلہ کر کے اپنی دُنیا آپ پیدا کرنی ہے، وہ اللہ کی مدد کے سہارے اور اپنی ہمت کے بل بوتے پر کامیابیوں کا سفر شروع کر لیتے ہیں۔

زندگی جہدِ مسلسل کا نام ہے۔ یہاں وہی لوگ کام یاب ہوتے ہیں جو مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہیں اور مایوس نہیں ہوتے کیوں کہ مشکلات سے گھبرانا مومن کا شیوہ نہیں۔ زمانہ جاہلیت میں معاشرے میں اسلام سے پہلے یتیموں کے حالات انتہائی خراب تھے۔ معاشرے میں ان کی جگہ نہ تھی۔ کوئی ان کا پرسانِ حال نہ تھا۔ لوگ ان کے مال ہڑپ کر لیتے اور انہیں مار پیٹ کے ذریعے ڈرا دھمکا کر خاموش کروا دیتے۔ ایسے میں اسلام کی دعوت کے ذریعے جہاں اور بہت سے اصلاح گیر احکامات دیئے گئے ہیں، وہیں یتیموں کی بہتری اور کفالت کے لیے لوگوں کو ترغیب دی گئی ہے اور یتیموں کے ساتھ بہترین سلوک کرنے والوں کو بہترین اجر کی خوش خبری دی گئی۔

مسلمان ہونے کے باوجود آج یتیموں کے ساتھ ہمارا رویہ انتہائی خراب ہے۔ ہم ان کمزور بچوں کو ہمت اور حوصلہ دے کر معاشرے میں آگے بڑھنے کے مواقع دینے کی بجائے ان کے راستے میں رکاوٹ بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ناجائز طریقوں سے ان کا مال ہڑپ کرتے ہیں اور ہمارے حکمرانوں کی بے حسی کی وجہ سے ان بچوں کی مشکلات میں ناقابلِ حد تک اضافہ ہو چکا ہے۔ اگر ہم اپنی آخرت کا خیال کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم یتیموں کے بہترین مددگار نہ بن جائیں۔

ماہنامہ تعلیم و تربیت ماہ جون 2016ء کے لیے خاص شمارہ بعنوان ''باہمت بچے نمبر'' دیا گیا ہے۔ اس خاص شمارے میں ایسے یتیم بچے جن کے سروں سے سایہ شفقت اُٹھ چکا ہے، ان کی زندگیوں کو مدِنظر رکھ کر کہانیاں، مضامین اور نظمیں لکھی گئی ہیں جنہیں پڑھ کر ہم جان سکیں گے کہ یہ یتیم بچے کیسے معاشرے کے کام یاب اور باہمت بچے بن سکتے ہیں۔

اس ماہ رمضان المبارک کے بابرکت مہینے کا آغاز ہو جائے گا۔ رمضان المبارک کے مہینے کی مبارک باد قبول کیجئے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے: ''اے ایمان والو! تم پر (رمضان کے) روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح ان لوگوں پر فرض کیے گئے تھے جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔'' آپ اس مہینے رحمتوں اور برکتوں کی ساعتوں سے فیض یاب ہوں۔

گرمی کا موسم شروع ہو چکا ہے۔ اس مہینے اسکولوں میں موسم گرما کی تعطیلات ہو رہی ہیں۔ گرمیوں کی چھٹیوں کو اچھے کاموں میں گزاریں۔ خوب دل لگا کر پڑھیں۔ آپ ہوم ورک، کھیل کود اور سیر و تفریح کا ٹائم ٹیبل بنا لیں تاکہ آپ کو آسانی ہو اور وقت کا بہترین استعمال ہو۔ آئندہ شمارے تک اجازت چاہتے ہیں۔ اپنا اور دوسروں کا بہت سا خیال رکھیے گا۔ فی امان اللہ! (ایڈیٹر)

ایڈیٹر، پبلشر
ظہیر سلام

اسسٹنٹ ایڈیٹر
عابدہ اصغر

سرکولیشن اسسٹنٹ
محمد بشیر راہی

سالانہ خریدار بننے کے لیے سال بھر کے شماروں کی قیمت پیشگی بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں سرکولیشن منیجر: ماہنامہ "تعلیم و تربیت" 32۔ ایمپریس روڈ، لاہور کے پتے پر ارسال فرمائیں۔
فون: 36361309-36361310 فیکس: 36278816

پرنٹر: ظہیر سلام
مطبوعہ: فیروزسنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہور۔
سرکولیشن اور اکاؤنٹس: 60 شاہراہ قائداعظم، لاہور۔

خط و کتابت کا پتا
ماہنامہ تعلیم و تربیت 32 ۔ ایمپریس روڈ، لاہور۔
UAN: 042-111 62 62 62 Fax: 042-36278816
E-mail:tot.tarbiatfs@gmail.com
tot tarbiatfs@live com

پاکستان میں (بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک) = 1000 روپے۔
مشرقِ وسطیٰ (ہوائی ڈاک سے) = 2400 روپے۔
ایشیا، افریقا، یورپ (ہوائی ڈاک سے) = 2400 روپے۔
امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا مشرقِ بعید (ہوائی ڈاک سے) = 2800 روپے۔

قیمت فی پرچہ: 35 روپے

حمدِ باری تعالیٰ

سوچوں سے ماورئی ہے میرے خدا کی ہستی
بے عیب و بے خطا ہے میرے خدا کی ہستی
معبود ہے وہ سب کا مسجود ہے وہ سب کا
ہر اک کا آسرا ہے میرے خدا کی ہستی
وہ باپ ہے کسی کا نہ ہے کسی کا بیٹا
تنہا وہ باخدا ہے میرے خدا کی ہستی
ظاہر یا چھپا ہے اس کی نگاہ میں ہے
ہر شے سے آشنا ہے میرے خدا کی ہستی
مخلوق کو وہ ستر ماؤں سے زیادہ چاہے
ہر طور پہ جدا ہے میرے خدا کی ہستی
جو مانتے نہیں ہیں ان پہ بھی کھل کے برسے
رحمت کی وہ گھٹا ہے میرے خدا کی ہستی
مل جائے اس کو اپنی جاں سے قریب تر ہی
جو شخص ڈھونڈتا ہے میرے خدا کی ہستی

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

مثالِ رفعتِ انساں محمدؐ مصطفٰے کی ذات
سرِ عرشِ بریں مہماں محمدؐ مصطفٰے کی ذات
فرشتوں سے بھی بڑھ کر آپؐ میں پاکیزگی دیکھی
کرے یوں عقل کو حیراں محمدؐ مصطفٰے کی ذات
دلوں سے کجروی اور کج ادائی کو مٹا ڈالے
کرے یوں زندگی آساں محمدؐ مصطفٰے کی ذات
یہ اک روشن حقیقت ہے غلامانِ رسالت کے
سکونِ قلب کا ساماں محمدؐ مصطفٰے کی ذات
قرآنِ پاک کے ہر لفظ کی تفسیر ہیں آقاؐ
یقیناً صاحبِ قرآں محمدؐ مصطفٰے کی ذات
انہیں عقل و خرد کی رفعتیں لاریب مل جائیں
اگر پہچان لیں ناداں محمدؐ مصطفٰے کی ذات
ہوئے جو اُن سے وابستہ قمرؔ وہ سرخرو ٹھہرے
کریں پورے دلی ارماں محمدؐ مصطفٰے کی ذات

.......☆.......

(ریاض حسین قمرؔ)

رفعت: بلندی
کج ادائی: بے وفائی
عرشِ بریں: خدا کا تخت
لاریب: جس میں کوئی شک نہ ہو
تفسیر: تشریح
خرد: عقل مند
کجروی: ٹیڑھی چال چلنے والا
سرخرو: کام یاب

درسِ قرآن و حدیث

یتیم کا خیال..... اجر بے مثال

محمد طیب الیاس

پیارے بچو! یتیم کے لفظی معنی اکیلے اور منفرد کے ہیں۔ اسی لیے جو موتی سیپ میں تنہا ہو اس کو ''دُرِّ یتیم'' کہا جاتا ہے۔ شرع کی رو سے جس بچے کا باپ مر جائے اور وہ بالغ نہ ہو تو اس کو ''یتیم'' کہا جاتا ہے۔ بلوغت کے بعد یتیمی باقی نہیں رہتی۔ اسلام کی آمد سے قبل یتیم بچوں اور بچیوں کے حقوق کا خیال نہیں رکھا جاتا تھا۔ اسلام نے یتیم بچوں اور بچیوں کے حقوق کو بحال کیا اور جو ورثاء اور سرپرست ان کے اموال میں خرد برد کرتے تھے ان کو متنبہ کیا، چناں چہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ ''یقین رکھو کہ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں، اور انہیں جلد ہی ایک دہکتی آگ میں داخل ہونا ہو گا۔'' (النساء، آیت: 10)

ایک موقع پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اے اللہ! دو قسم کے ضعیفوں کی حق تلفی کرنے کو میں گناہ قرار دیتا ہوں، ایک یتیم اور دوسرا عورت۔'' (ابن ماجہ، کتاب الادب: 3678)

یتیم کمزور ہے کہ وہ اپنے جان و مال اور آبرو کی خود حفاظت نہیں کر سکتا، وہ اپنا حق بھی خود وصول نہیں کر سکتا ہے۔ باپ کا انتقال ہو چکا ہے، خود بچہ ہے، بھلا وہ کیسے اپنے حقوق وصول کر سکتا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ یتیم بچوں اور بچیوں کی امداد اور ان کی دیکھ بھال کرنے کی تاکید فرمائی۔ یتیم کی عزت، اس سے اچھا سلوک کرنے پر تحسین فرمائی اور اس کے ساتھ بدسلوکی اور اس کے حقوق کی پامالی پر وعید سنائی۔ آیئے! یہ سب کچھ جانتے ہیں ارشادات رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے:

''اللہ کے نزدیک سب گھروں میں سے زیادہ محبوب وہ گھر ہے جس میں یتیم کی عزت کی جاتی ہو۔'' (طبرانی کبیر، باب العین: 13434)

''مسلمانوں میں بہتر گھر وہ ہے جس میں یتیم سے حسنِ سلوک کیا جاتا ہو اور مسلمانوں کا بدترین گھر وہ ہے جس میں یتیم موجود ہو مگر اس سے بُرا سلوک کیا جاتا ہو۔'' (ابن ماجہ، کتاب الادب: 3679)

ایک مرتبہ ایک بیوہ عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی، اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں بھی تھیں۔ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گھر میں تین کھجوروں کے سوا کچھ نہ تھا۔ آپ نے وہ تینوں کھجوریں اس بیوہ عورت کو دے دیں۔ اس نے ایک ایک کھجور اپنی دونوں بیٹیوں کو دے دی، پھر تیسری کھجور کے دو ٹکڑے کیے اور وہ بھی ان دونوں میں بانٹ دی۔ اس کے بعد جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس خاتون کی شفقت مادری کا ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ عورت اس عمل کی بدولت جنت کی مستحق ہو گئی۔'' (ابن ماجہ، کتاب الادب: 3668)

''جس نے یتیم کے سر پر اللہ کی رضا کی خاطر ہاتھ پھیرا اور کوئی غرض نہ تھی تو جتنے بالوں پر ہاتھ گزرا، ہر بال کے بدلے میں نیکی ملے گی، اور جس نے یتیم بچی یا بچے کے ساتھ نیک برتاؤ کیا جو اس کی کفالت میں تھا تو میں اور وہ جنت میں اس طرح سے ہوں گے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شہادت کی انگلی اور درمیان کی بڑی انگلی کو ملایا۔ (مسند احمد، مسند الانصار: 22153)

''جس شخص نے یتیم یا بیوہ کی کفالت کی اللہ تعالیٰ اس کو (روزِ قیامت) اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دیں گے اور اس کو اپنی جنت میں داخل کریں گے۔'' (طبرانی اوسط، باب الہاء: 9292)

قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''اور وہ اللہ کی محبت کی خاطر مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ (اور ان سے کہتے ہیں کہ) ہم تو تمہیں صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کھلا رہے ہیں، ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ کوئی شکریہ۔'' (الدھر: 8-9)

پیارے بچو! یتیم بچے اور بچیاں آپ کے بھائی بہن ہیں، ان سے اچھا سلوک کیجئے اور اللہ تعالیٰ سے یہ سب اجر لیجئے۔ ☆☆

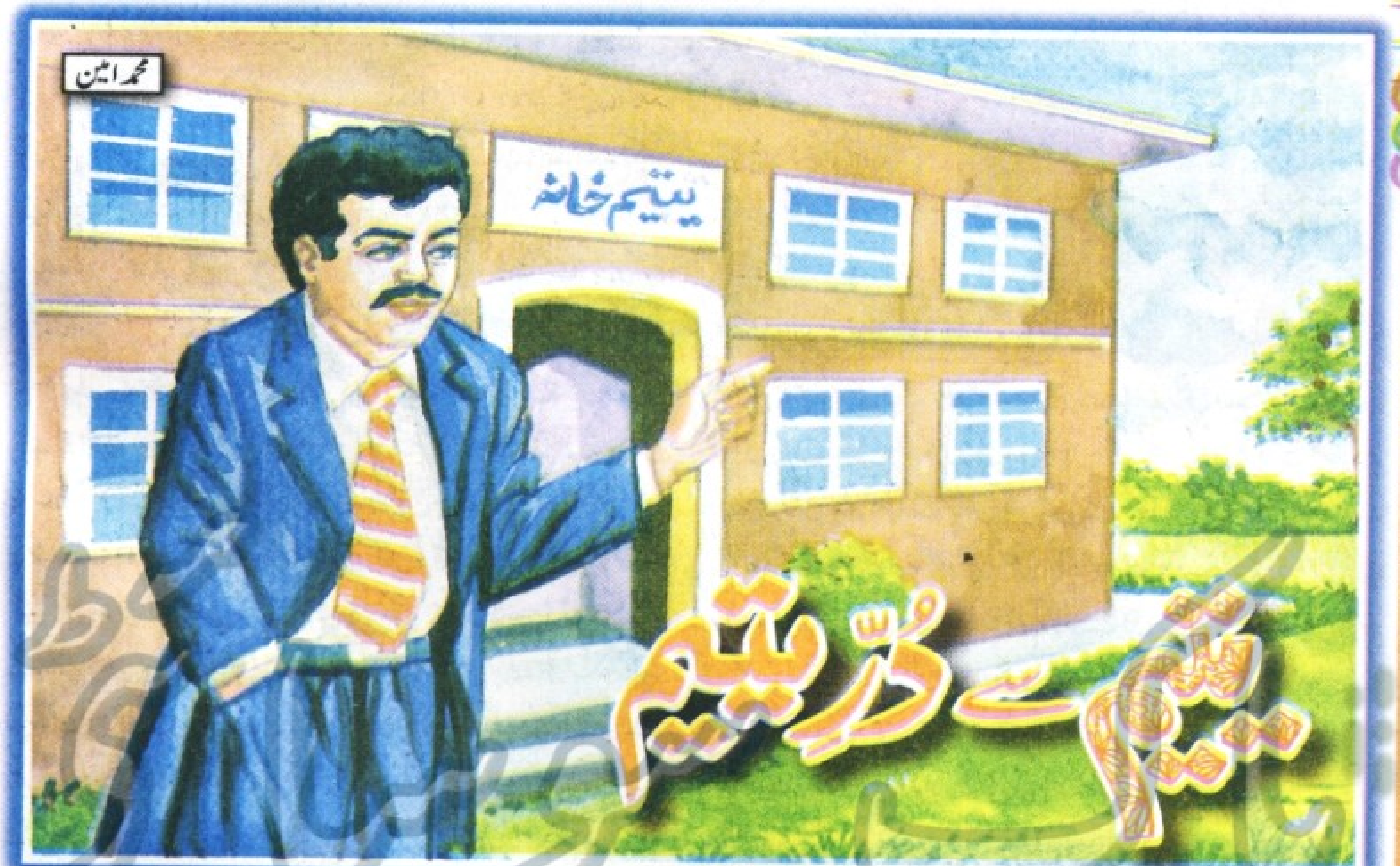

یتیم سے دُرِّ یتیم

محمد امین

یاسر آج اس عمارت کے سامنے کھڑا تھا جہاں آج سے پچیس سال پہلے وہ ڈرا اور سہا ہوا داخل ہوا تھا۔

ماضی کا سارا نقشہ اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ جب وہ صرف چھ سال کا تھا تو اس کے والد کا سایہ اس کے سر سے اُٹھ گیا۔ اپنے بہن بھائیوں میں وہ سب سے بڑا تھا۔ اس سے چھوٹا اس کا چار سال کا ایک بھائی اور دو سال کی ایک بہن تھی۔ شوہر کے انتقال کے بعد اس کی والدہ نے بڑی کوشش اور محنت سے اپنا اور اپنے بچوں کا بوجھ اُٹھانے کی ہمت کی مگر بڑھتی ہوئی مہنگائی اور خرچوں کے آگے وہ بے بس ہو گئیں۔

ایک دن انہوں نے یاسر کو اپنے پاس بٹھا کر کہا۔ ”بیٹا! تم بہن بھائیوں میں سب سے بڑے ہو، سمجھ دار ہو۔ تم یقیناً میری بات سمجھ سکو گے۔ بیٹا، میرے لیے گھر کا خرچہ چلانا اب تقریباً ناممکن ہو گیا ہے۔ مہنگائی ہے کہ دن بدن بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ اس لیے میں نے بہت مجبور ہو کر یہ سوچا ہے کہ میں تمہیں یتیم خانے میں داخل کرا دوں۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو؟“

”امی! مگر یتیم خانہ کیا ہوتا ہے؟“

”بیٹا! جن بچوں کے والد کا سایہ ان کے سر سے اُٹھ جاتا ہے، ان کی دیکھ بھال کے لیے کچھ جگہیں بنائی گئی ہیں، انہیں یتیم خانہ کہتے ہیں۔ وہاں بچوں کے رہنے اور پڑھنے کا انتظام بھی ہوتا ہے۔

یاسر نے خوش ہو کہا۔ ”تو کیا میں وہاں جا کر بھی پڑھ سکوں گا۔“

”کیوں نہیں، تم وہاں بھی ضرور پڑھ سکو گے۔“

دوسرے دن یاسر نے جب اپنے اسکول میں اپنے دوست کو یہ بات بتائی کہ وہ یہ اسکول چھوڑ کر یتیم خانے جا رہا ہے تو اس کے دوست نے حیرت سے کہا۔ ”کیا پاگل ہو گئے ہو؟ تمہیں پتا بھی ہے کہ یتیم خانے میں کیا ہوتا ہے؟ وہاں بچوں پر بہت سختی کی جاتی ہے، انہیں بہت مارا جاتا ہے۔“ یاسر کو اپنے دوست کی یہ بات سن کر سخت پریشانی ہوئی۔

گھر آ کر بھی اس کا ذہن منتشر ہی رہا۔ یتیم خانے کے نام سے اب اسے انجانا سا خوف آنے لگا۔

تھوڑے دن بعد اس کی والدہ نے اس کا تمام سامان ایک بیگ میں ڈالا اور اسے لے کر اسی عمارت میں داخل ہوئیں جس کے سامنے آج وہ کھڑا تھا۔ یتیم خانے کا وہ پہلا دن جب اس کی والدہ نے شفقت سے گلے لگا کر اسے سمجھایا تھا۔ ”اب تمہیں یہیں اچھے بچوں کی طرح رہنا ہے۔ دوسرے بچوں سے لڑائی جھگڑا مت کرنا

اورخوب جی لگا کر پڑھنا۔ میں تم سے ملنے ہر مہینے آیا کروں گی۔‘‘

’’بس بی بی بس کریں، بچوں کو پیار کا اتنا عادی نہ بنائیں، بعد میں ہم لوگوں کے لیے مصیبت ہو جاتی ہے۔‘‘ یتیم خانے کے ایک ملازم نے کرخت آواز میں اس کی والدہ کو ٹوکا۔ اس کی والدہ نے اس کے ماتھے پر پیار کیا اور مڑ کر یتیم خانے کے گیٹ سے باہر نکل گئیں۔ یاسر انہیں دُور تک جاتا دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری تھے۔

والدہ کے جانے کے بعد یتیم خانے کا دوسرا ملازم یاسر کے پاس آیا اور اس نے اسے اپنا سامان اُٹھا کر اپنے پیچھے چلنے کا کہا۔ یاسر نے سامان اُٹھایا اور اس ملازم کے پیچھے چل دیا۔ ملازم اسے لے کر ایک بڑے ہال نما کمرے میں پہنچا جہاں اور بہت سے بچے موجود تھے۔ ملازم نے ایک کونے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ’’وہاں کونے میں اپنا سامان رکھ دو، یہی تمہاری جگہ ہے۔ آج سے تم ان بچوں کے ساتھ رہو گے۔‘‘ یتیم خانے کا ماحول اسے عجیب سا لگا۔ کچھ بچے اس کی طرح سہمے اور ڈرے ہوئے تھے۔ وہ بھی اس کی طرح یہاں نئے تھے جب کہ کچھ بچے کھیل کود اور شرارت میں مگن تھے، شاید وہ یہاں کے عادی ہو گئے تھے۔

آہستہ آہستہ یاسر کی دوسرے بچوں سے دوستی ہو گئی۔ ہر بچہ اس کی طرح اپنے والد کی شفقت سے محروم تھا بلکہ کچھ بچے تو ایسے بھی تھے جن کی والدہ بھی اس دُنیا میں نہیں تھی اور اب وہ اس دُنیا میں بالکل اکیلے اور تنہا تھے۔

دن ایک ایک کر کے گزر رہے تھے یا نہیں، یاسر کو تو ایسا لگتا تھا کہ یتیم خانے کا دن بہت لمبا ہوتا ہے۔ گھر پر تو دن کتنی جلدی گزر جاتا تھا۔ یوں صبح ہوتی تھی اور یوں رات ہو جاتی تھی مگر یہاں جیسے دن گزرنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ ابھی مشکل سے صرف پندرہ دن ہی گزرے تھے اور مہینہ پورا ہونے میں ابھی پورے پندرہ دن باقی تھے۔ اسے اپنے گھر، اپنی والدہ، بہنیں اور بھائی کی یاد ستانے لگی۔

اکثر وہ تنہائی میں سوچا کرتا کہ اللہ نے اس کے ساتھ ایسا کیوں کیا۔ اس کے والد کو اس سے کیوں چھینا، اور بچے بھی تو ہیں جو اپنے والد اور والدہ کے ساتھ رہتے ہیں۔ آج اگر اس کے والد زندہ ہوتے تو وہ بھی یہاں نہ ہوتا، اپنے گھر پر ہوتا۔ اس کے والد اس کے لاڈ اُٹھاتے، اسے پیار کرتے اور اسے گھمانے لے جاتے۔ یہ باتیں سوچ سوچ کر وہ بہت اداس ہو جاتا اور اس کا دل پھوٹ پھوٹ کر رونے کو چاہتا۔ اب اس کا دل پڑھائی میں بھی بالکل نہ لگتا تھا۔

جمعہ کے دن یتیم خانے کے تمام بچے جمعہ پڑھنے یتیم خانے سے متصل ایک مسجد میں جایا کرتے تھے۔ ایک جمعہ جب یاسر مسجد میں پہنچا تو امام صاحب اپنا بیان فرما رہے تھے۔ یاسر ایک کونے میں بیٹھ گیا۔

امام صاحب کی آواز اس کے کانوں میں آ رہی تھی: ’’ہمارے نبی ﷺ کی پیدائش سے پہلے ہی آپؐ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ ابھی صرف چند سال کے تھے کہ آپؐ کی والدہ بھی آپؐ سے جدا ہو گئیں اور آپؐ نے اپنے دادا کے زیرِ سایہ پرورش پائی۔ اللہ نے آپؐ کو یتیم پیدا کیا اور آپؐ کو جن کے سر پر ماں باپ کا سایہ بھی نہ تھا، ساری دُنیا کے لیے رحمت کا سایہ بنا دیا، یعنی رحمۃ اللعالمین بنا دیا۔ ایک یتیم کو اللہ نے دُرِ یتیم بنایا۔‘‘

دُرِ یتیم، یاسر کے کانوں سے یہ جملہ چپک کر رہ گیا۔ نماز کے بعد یاسر نے امام صاحب کے پاس جا کر ان سے پوچھا۔ ’’امام صاحب! اللہ یتیم کیوں کرتا ہے؟‘‘ امام صاحب نے کمال شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ ’’میرے بچے یہ سب اس کی حکمتیں ہیں۔ وہی بہتر جانتا ہے کہ کس کے ساتھ کیا معاملہ کرنا ہے۔ انسان کو ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیے۔ دُنیا میں کوئی یتیم ہے تو کوئی ماں باپ کے ہوتے ہوئے بھی کسی محتاجی میں مبتلا ہے۔ کسی کے پاس ماں باپ ہیں مگر آنکھیں نہیں، کسی کے پاس کان نہیں، کوئی اور کسی بیماری میں مبتلا ہے۔ دُنیا کا ہر انسان اگر دوسرے انسانوں کو دیکھے تو اسے پتا چلے کہ اللہ نے اسے جیسا بھی اور جس حال میں بھی بنایا ہے، بہر حال لاکھوں انسانوں سے بہتر بنایا ہے۔‘‘

’’امام صاحب یہ ’’دُرِ یتیم‘‘ کیا ہوتا ہے؟‘‘

’’بیٹا! دُر کہتے ہیں موتی کو اور یتیم کا مطلب ہوتا ہے اکیلا، تنہا یعنی ایسا موتی جو سب موتیوں میں خوب صورت ہو، سب سے قیمتی ہو، سب سے نایاب ہو۔ ایسا اکیلا موتی دُرِ یتیم کہلاتا ہے۔‘‘

’’امام صاحب! میں بھی یتیم ہوں، کیا میں دُرِ یتیم کی پیروی کر سکتا ہوں۔ امام صاحب نے اسے گلے سے لگا کر کہا۔ ’’کیوں نہیں، میرے بچے! تم یتیم ہو تو کیا ہوا، اللہ نے تمہیں صحت مند بنایا

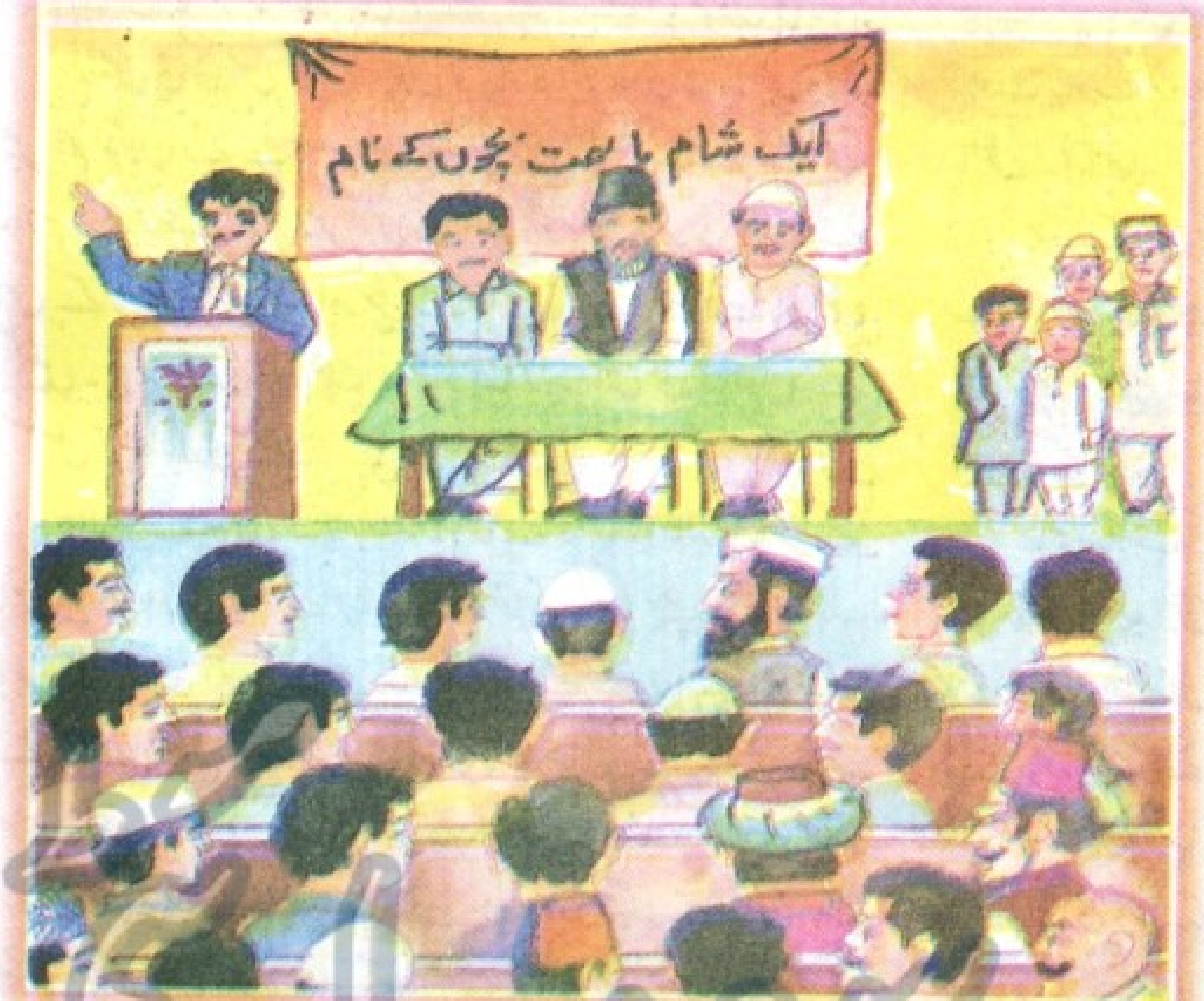
ایک شام یتیم بچوں کے نام

ہے۔ تمہاری آنکھیں ہیں جن سے تم دیکھ سکتے ہو، کان ہیں جن سے سن سکتے ہو، زبان ہے جس سے بول سکتے ہو۔ تمہارے والد نہیں تو کیا ہوا، اللہ نے تمہیں اور کتنی چیزوں سے نوازا ہے۔ میرے بچے یہ مت دیکھو کہ اللہ نے تمہیں کس چیز سے محروم کیا ہے بلکہ یہ دیکھو کہ اس نے تمہیں کتنی نعمتوں سے نوازا ہے۔ اگر تم شمار کرنے بیٹھو گے تو ساری عمر کو پہنچ جاؤ گے لیکن شمار نہیں کر سکو گے۔ اگر تم خوب محنت سے علم حاصل کرو گے تو ضرور ایک دن معاشرے میں اعلیٰ مقام حاصل کر لو گے۔'' اس دن کے بعد سے یاسر کے ذہن کی دُنیا بدل گئی اور اس کے ذہن میں ایک ہی بات سما گئی کہ اسے خوب محنت سے علم حاصل کرنا ہے۔ وہ خوب دل لگا کر بڑی محنت کے ساتھ اپنی تعلیم پر توجہ دینے لگا۔ اپنے تمام منفی خیالات اس نے اپنے ذہن سے نکال دیے۔

اس کی والدہ ہر مہینے اس سے ملنے آتی تھیں اور اس کے بہن بھائیوں کو بھی ساتھ لاتی۔ وہ اسے محنت سے علم حاصل کرتا دیکھ کر بہت خوش ہوئیں، اس کے لیے ڈھیروں دعائیں کرتی۔ اسے دیکھ کر ان کی آنکھوں میں اُمید کے چراغ روشن ہو جاتے۔

دن تیزی سے گزرتے رہے، یاسر اسکول کی تعلیم سے فارغ ہو چکا تھا۔ اس نے میٹرک کے امتحان میں پوزیشن حاصل کی تھی۔

اب وہ اپنے گھر واپس آ چکا تھا۔ اس نے بچوں کو ٹیوشن پڑھانا بھی شروع کر دیا تھا اور خود ایک اچھے کالج میں داخلہ لے چکا تھا۔ اس کے بہن بھائی بھی ایک اچھے اسکول میں پڑھتے تھے۔ اس کی والدہ بوڑھی ہو چکی تھیں۔ کالج سے فارغ ہو کر اس نے یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ اب اس کے پاس ٹیوشن بھی کافی تھیں جس کی وجہ سے اس کا اور گھر کا خرچ آرام سے چل جاتا تھا۔ اس نے اپنی والدہ کو کام کرنے سے منع کر دیا۔ ''میں اب گھر کا سارا بوجھ اُٹھا سکتا ہوں، آپ نے بہت کام کر لیا بس اب آپ آرام کیا کریں۔'' اس کی والدہ نے محبت اور شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا۔ ''واقعی میرا بیٹا اب جوان ہو گیا ہے اور میں بوڑھی ہو چکی ہوں، اب میں آرام ہی کروں گی۔''

یونیورسٹی کی تعلیم سے فارغ ہوتے ہی یاسر کو ایک بہت اچھے کالج میں لیکچرار کی ملازمت مل گئی۔ اب اس کے حالات بہت اچھے ہو چکے تھے۔

ایک دن اسے یتیم خانہ سے ایک دعوت نامہ موصول ہوا جس میں اس سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ اپنے قیمتی وقت میں سے کچھ وقت یتیم بچوں کے لیے بھی نکالے۔ یتیم خانے کا نام دیکھ کر اس کی آنکھیں بھر آئیں کیوں کہ یہ وہی یتیم خانہ تھا جہاں اس نے اپنا بچپن گزارا تھا۔

آج وہ اسی یتیم خانہ کے باہر کھڑا تھا۔ یتیم خانے کے انچارج کی آواز سے یاسر اپنے ماضی سے لوٹ آیا۔ ''ارے سر! آپ باہر کھڑے ہیں، اندر تشریف لائیں۔ آپ بالکل وقت پر پہنچ گئے، میرا خیال تھا آپ تھوڑی دیر سے آئیں گے۔ مجھے پتا ہوتا تو میں آپ کے استقبال کے لیے گیٹ پر ہی موجود ہوتا۔ یاسر نے کہا۔ ''کوئی بات نہیں، اصل میں مَیں وقت سے پہلے ہی آ گیا۔'' یتیم خانے کا انچارج یاسر کو ایک ہال میں لے گیا جو بچوں سے بھرا تھا اور جہاں مختلف ڈیسکوں پر بچے بیٹھے تھے۔

یاسر اسٹیج پر رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا۔ باقی تمام کرسیاں خالی تھیں اور کالج کے پروفیسروں کو بھی مدعو کیا گیا تھا مگر وہ ابھی نہیں پہنچے تھے۔

یاسر اپنی کرسی پر بیٹھا ان یتیم بچوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہی چہرے کچھ ڈرے، کچھ سہمے شاید نئے ہوں گے اور کچھ اپنے حال اور اپنی شرارتوں میں مشغول شاید پُرانے ہوں گے۔

آہستہ آہستہ اسٹیج کی باقی کرسیاں بھی بھر گئیں۔ تمام مدعو لوگ آچکے تھے۔ یتیم خانے کے انچارج نے یاسر کا تعارف کروا کر اسے خطاب کی دعوت دی۔

یاسر نے مائیک پر پہنچ کر بچوں کو پیار سے دیکھا اور بولنا شروع کیا۔ ’’بچو! آپ کے یتیم خانے کے انچارج نے میرا جو تعارف کروایا ہے، اس میں ایک بات آپ کو نہیں بتا سکے کیوں کہ یہ بات وہ خود بھی نہیں جانتے، وہ یہ کہ آج سے پچیس برس پہلے بالکل آپ لوگوں کی طرح میں بھی اس یتیم خانے میں داخل ہوا تھا اور میں جانتا ہوں کہ آپ کے معصوم ذہنوں میں یہاں کیا سوالات اُٹھتے ہوں گے، وہی سوال جو کبھی میرے ذہن میں اُٹھتے تھے۔ اللہ نے میرے والد کو مجھ سے کیوں چھینا، میں دوسرے بچوں کی طرح سے اپنے گھر پر کیوں نہیں رہتا، میرے پاس کھیلنے کے لیے بہت سے کھلونے کیوں نہیں، کوئی مجھے گھمانے کیوں نہیں لے جاتا۔ میرا کوئی سہارا کیوں نہیں وغیرہ وغیرہ۔ میں بھی یہی ساری باتیں سوچتا تھا جو شاید آج آپ لوگ سوچتے ہوں مگر بچو! جانتے ہو، یہ آپ کے یتیم خانے کے ساتھ جو مسجد ہے اس کے امام صاحب کے ایک جملے نے میری زندگی بدل دی۔‘‘ پھر یاسر نے امام صاحب والا سارا واقعہ بچوں کو سنایا۔ ’’جانتے ہو، بچو! امام صاحب کی باتوں نے ہی مجھے ان منفی باتوں سے چھٹکارا دلایا اور میں نے خوب محنت سے علم حاصل کیا جس کی وجہ سے اللہ نے آج مجھے اس مقام پر پہنچا دیا۔ آئیں، آج سب بچے میرے ساتھ عہد کریں کہ وہ سب یتیم ہیں تو کیا ہوا، ہم بھی قابل انسان بنیں گے۔‘‘

آخر میں یاسر نے ہاتھ اُٹھا کر دعا کی۔ ’’یا اللہ! ان سب بچوں کا جن کے والد کا سایہ ان کے سر پر نہیں، تو ہی ان کا نگہبان ہے، تو ہی ان کو سنبھالنے والا ہے۔ اے اللہ! ان سب یتیم بچوں کو اپنی رحمت سے کام یاب کر دے۔ (آمین!) ☆☆☆

(بقیہ: دیا میرے لہو سے ہی روشن ہوگا)

اگر آج بھی والدین اپنے بچوں کی تربیت اخلاقی اصولوں کے مطابق کریں، ہر روز فارغ وقت اپنے بچوں کی ذہنی تربیت کریں، ان کو اخلاقی تقاضے سکھائیں، تعلیمی اداروں میں بچوں کے لیے ابتدا میں دس یا پندرہ منٹ کا اخلاقی پیریڈ رکھا جائے۔ اس کے علاوہ ضلعی سطح پر خاص کر دیہاتوں میں ایسی ایسی کمیٹیاں بنائی جائیں جو گھروں میں جا کر پمفلٹ یا مہینے میں ایک بار گاؤں کی سطح میں عورتوں کا ایک سیمینار کروائیں یا دانشوروں سے لیکچر دلوائے جائیں جہاں یہ بتایا جائے کہ ایسے بچوں کا سہارا بن کر ہم دین و دُنیا میں کام یاب ہو سکتے ہیں اور دُنیا میں دہشت گردی ختم ہو سکتی ہے۔

تیرے لفظوں سے ہیں ایوان لرزاں
تیرے اشکوں سے ہیں طوفان لرزاں

جب تک وجوہات سامنے نہ آئیں اس وقت تک لاکھوں کروڑوں انسان متاثر ہوتے رہیں گے۔ دہشت گردی ایک ذہنی سوچ ہے اس سوچ کی جڑ جہالت ہے۔ فرق ہے امیر اور غریب کا معیار زندگی، امیر کا غرور اور غریب کے ارمان۔ جب امیر ظلم کرتے ہیں، غریبوں کے خواب ختم کر کے اُن کو کچل دیتے ہیں اور اُن کو سر نہیں اُٹھانے دیتے تو وہاں سے یہ چیز جنم لیتی ہے۔

ہم سب ایک ملک کے انسان ہیں، ایک مذہب ہے۔ ایک نبی ﷺ کی اُمت ہیں۔

اس نام سے آگاہی مہم کا آغاز کریں اور اس میں تمام مکتبہ فکر کے علماء کو اور مختلف شعبہ ہائے زندگی کے افراد کو شامل کیا جائے اور یہ پروگرام شروع کیا جائے تو ہم بُرائیوں پر قابو پا سکتے ہیں۔ حکومت کو چاہیے کہ گاؤں اور شہروں سے ڈیٹا اکٹھا کر کے ایسے بچوں کی سرپرستی کی جائے تو ہم بہت حد تک قابو پا لیں گے۔ حکومت ایسے بچوں کی مالی معاونت خود کرے اور ان کے تحفظ کی ذمہ داری ان کی جائیداد کی سیفٹی تک کی نگرانی خود حکومت کرے۔ ☆☆☆

رمضان رحمتوں اور برکتوں کا مہینہ

شیخ عبدالحمید عابد

ساتھیو! روزہ اسلام کا تیسرا رکن ہے۔ جس طرح کسی بھی عمارت کی تعمیر میں ستون اہمیت رکھتے ہیں، ان کے بغیر عمارت مضبوط نہیں ہوتی، اسی طرح ہمارے مذہب اسلام کے بھی پانچ ستون ہیں۔ کلمہ طیبہ، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔ انہیں اسلام کے ارکان بھی کہتے ہیں۔ ہر رکن اپنی علیحدہ علیحدہ اہمیت رکھتا ہے۔ ان کے تقاضے بھی الگ الگ ہیں، جس طرح نماز ہر بالغ پر فرض ہے۔ کلمہ طیبہ پر ایمان اسلام کی روح ہے، بالکل اسی طرح رمضان المبارک میں ہر بالغ کو روزہ رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔

عربی زبان میں روزے کو صوم کہتے ہیں اور ماہِ رمضان، ماہِ صوم کہلاتا ہے۔ صوم یا صیام کے معنی کسی چیز سے رُکنا اور اسے چھوڑ دینا ہیں۔ اس کے علاوہ ایسے گھوڑے کو بھی صیام کہتے ہیں جو کھانا پینا ترک کر دے۔ شریعت کے معانی مذہبی قانون یا قانونِ الٰہی ہیں۔ شریعت میں اس اصطلاح سے ایسا شخص مراد ہے جو احکامِ شریعت کا پابند ہو اور طلوعِ آفتاب سے غروبِ آفتاب تک روزے کی نیت کرے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ارادتاً کھانے پینے سے اور ہر قسم کی بُری حرکات اور باتوں سے پرہیز کرے۔

دل سے روزہ رکھنے والا اپنے نفس پر حاکم ہو کر پاکیزگی کے اعلیٰ مقام تک پہنچ جائے، اسی کو روزہ کہتے ہیں۔ قرآنِ مجید میں ہے کہ روزہ دار ایک روحانی سفر کرنے والا ہے۔ روزہ صرف ظاہری بھوک پیاس کا نام نہیں بلکہ درحقیقت قلب و روح کی غذا اور تسکین کا ذریعہ ہے۔

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”جو شخص جھوٹ اور بُرے کام نہیں چھوڑتا اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے کی ضرورت نہیں۔“

رمضان المبارک کے روزے 3 ہجری میں مدینہ منورہ میں فرض ہوئے۔ اس سے قبل بھی آنحضرت ﷺ اپنے طور پر مختلف مخصوص دنوں میں نفلی روزے رکھا کرتے تھے۔ اس مبارک مہینے میں قرآنِ پاک کا نزول ہوا۔ روزہ کی نیت طلوعِ فجر سے قبل کی جاتی ہے اور نیت سے پہلے ہم لوگ جو کھانا کھاتے ہیں، اسے سحری کہا جاتا ہے۔

قرآنِ شریف میں سحری کے متعلق بھی واضح طور پر بتایا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ کی 187 آیت میں ہے کہ ”کھاؤ پیو یہاں تک کہ رات کی کالی دھاری سے صبح کی سفیدی تمہیں آسمان پر ملتی ہوئی صاف دکھائی دینے لگے۔“

رمضان المبارک وہ مقدس مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہِ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر دکھا دینے والی ہیں۔ جو شخص اس مہینے کو پائے، اس پر لازم ہے کہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے اور جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرے۔

(سورۃ البقرہ 185)

اللہ تعالیٰ نے اس ماہ کے متعلق یہ بھی بتایا ہے کہ ''یہ میرا مہینہ ہے اور اس کا صلہ میں خود دوں گا۔'' اس کے معنی یہ ہیں کہ جو صلہ اور اجر اس ماہ کے اعمال کا ہوگا، وہ بے حد و حساب ہوگا۔

رمضان خیر اور فلاح کے پھلنے پھولنے کا موسم ہے۔ اس موسم میں ایک نہیں بلکہ لاکھوں کروڑوں مسلمان مل کر اس نیکی کو پھیلانے کا سبب بنتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے روزوں کا حکم دینے کے بعد فرمایا۔

''تم پر روزہ فرض کیا جاتا ہے شاید کہ تم متقی و پرہیز گار بن جاؤ۔''

ماہِ مکرم کی فضیلت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاتا ہے کہ اس ماہِ مکرم میں دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور جنت کو خوبصورتی کے ساتھ آراستہ کر کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ شیطان ملعون کو قید کر کے جکڑ دیا جاتا ہے۔ نفل نماز کا ثواب فرض نماز کے برابر اور ہر فرض نماز کا ثواب ستر فرض نمازوں کے برابر ملتا ہے۔ روزہ دار کے منہ کی بُو اللہ تعالیٰ کو مشک سے بھی زیادہ پسند ہے، حتیٰ کہ روزہ دار کا سونا بھی عبادت ہے اور اس کا بستر بھی اس کے لیے دعا کرتا ہے۔ اس کا لباس، اس کے برتن بھی دعائیں دیتے ہیں۔ یعنی اس ماہِ مقدس میں خالقِ کائنات کی رحمت پوری جوش میں ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے بندے تیرا کام مانگے جانا ہے اور میرا کام تجھے بے حد و حساب دیتے جانا ہے۔

رمضان شریف کی ہر شب آسمانوں میں صبح صادق تک ایک منادی یہ ندا کرتا ہے، ہے کوئی مغفرت کا طالب کہ اس کی مغفرت کی جائے، ہے کوئی توبہ کرنے والا اس کی توبہ قبول کی جائے۔ کوئی دعا مانگنے والا ہے، اس کی دعا قبول کی جائے اور ہے کوئی سائل کہ اس کا سوال پورا کیا جائے۔

حکیم الامت علامہ محمد اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں۔
راہ دکھلائے کسے راہ رو منزل ہی نہیں

رمضان المبارک کی آمد پر خوشی کا اظہار کرنا باعثِ رحمت و برکت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے غم سے محفوظ رکھتا ہے۔ چناں چہ آقائے نامدار فخرِ موجودات ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص ماہِ رمضان کی آمد سے خوش ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے غم سے بچائے گا۔

حضور پُرنور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس ماہِ مبارک میں ذکرِ الٰہی کی مجلس میں شرکت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کے ہر قدم کے بدلے میں ایک ایک سال کی عبادت کا ثواب لکھتا ہے اور قیامت کے دن وہ عرش کے سائے میں ہوگا اور جو رمضان المبارک میں نماز باجماعت ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہر رکعت کے بدلے میں اس کو ایک ایک شہر نور کا عطا کرے گا۔ اگر کوئی والدین کے ساتھ محبت و پیار سے پیش آئے اور ان پر احسان کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر نہایت نگاہِ رحمت فرمائے گا اور اگر کوئی ماہِ رمضان میں اپنے مومن بھائی کی ضرورت پوری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دس لاکھ حاجتیں پوری کرتا ہے۔ جو کوئی اس ماہ میں کسی بال بچے دار فقیر کو خیرات دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کے لیے دس لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اور دس لاکھ گناہ معاف فرماتا ہے اور دس لاکھ درجات بلند فرماتا ہے۔

حضرت سیدنا ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رحمتِ دو عالم، نورِ مجسم نے ارشاد فرمایا کہ اس ماہِ مقدس میں آدمی کے ہر نیک کام کا بدلہ اصل سے سات سو گنا ہو جاتا ہے۔

ہمارے پیارے نبی رمضان المبارک میں نمازِ عشاء کے بعد تراویح کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ تراویح پڑھنا واجب ہے۔ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں ایک بابرکت رات آتی ہے جسے لیلۃ القدر کہتے ہیں، جس کی فضیلت قرآنِ مجید میں بیان کی گئی ہے۔ شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''جس شخص نے ایمان اور ثواب کی خاطر شبِ قدر میں قیام کیا، اس کے سارے پچھلے گناہ معاف ہو گئے۔''

رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو جمعۃ الوداع کہتے ہیں اور رمضان کے روزوں کے اختتام پر تمام مسلمان عید مناتے ہیں۔ شوال کا چاند نظر آتے ہی روزے ختم ہو جاتے ہیں۔ ☆☆☆

پیارے اللہ کے پیارے نام

راشد علی نواب شاہی

اَلْمُقَدِّمُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(آگے بڑھانے والا)

اَلْمُقَدِّمُ جَلَّ جَلَالُہٗ اُونچے اور اعلیٰ مرتبے عطا فرماتے ہیں۔ دُنیا میں ہم لوگ دیکھتے ہیں کہ کوئی بادشاہ ہے تو کوئی فقیر، کوئی امیر ہے تو کوئی غریب۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم اور ارادے سے ہوتا ہے۔ دل چھوٹا نہیں کرنا چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگتے رہنا چاہیے۔

اَلْمُؤَخِّرُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(پیچھے ہٹانے والا)

اَلْمُؤَخِّرُ جَلَّ جَلَالُہٗ بڑے مرتبے سے چھوٹے مرتبے پر لے آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اپنے نیک لوگوں کو اعلیٰ مرتبے عطا فرمائے اور انہیں ہدایت سے نوازا۔ کسی قوم کو عروج اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے ملتا ہے تو وہ ترقی کرتی چلی جاتی ہے اور کسی قوم کے مقدر میں زوال خود انہی کی اپنی کمیوں اور کوتاہیوں سے آتا ہے۔

لنگڑا مچھر اور جوتے

”ابو! آپ کو اپنا وعدہ یاد ہے نا۔“ ساجدہ نے بڑے لاڈ سے کہا۔

”جی بیٹا! بالکل یاد ہے، لیکن آپ کا بھی شکریہ کہ آپ نے مجھے وہ وعدہ یاد دلا دیا۔“

”اور ابو میں تو تیار ہو کر آ گیا ہوں۔“ ساجد بھی جلدی سے ابو کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ چھٹی کے دن دونوں ابو سے سچے واقعات سنتے۔ ابو نے جب چائے پی لی تو انہوں نے بات شروع کی:

”آج آپ لوگوں کو ایسے واقعات سناتا ہوں جو قرآن کریم اور احادیث میں آ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح کسی کو بلند مرتبہ دیتے ہیں اور کس طرح اپنی رحمت سے محروم کر دیتے ہیں۔“

”ابلیس کا لفظ پہلے کبھی آپ نے سنا ہے؟“ انہوں نے ساجدہ سے پوچھا۔

”جی سنا ہے، شیطان کو کہتے ہیں۔“

”معلوم ہے پہلے یہ کون تھا؟“

”نہیں ابو!“ دونوں نے جواب دیا۔

یہ پہلے بہت عبادت گزار تھا۔ زمین کا کوئی چپہ ایسا نہیں جہاں

اس نے سجدہ نہ کیا ہو۔ یہ تو فرشتوں کا سردار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے آگ سے پیدا کیا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا تو اسے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی بات ماننے سے انکار کیا کہ یہ آدم تو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور میں آگ سے پیدا کیا گیا ہوں۔ آگ مٹی سے افضل ہے۔ آگ والا، مٹی کو سجدہ کیسے کرے؟ اس لیے میں آدم سے افضل ہوں۔ وہ اکڑ اور غرور میں آ گیا۔

اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی تو اللہ تعالیٰ نے اس سے بلند مرتبہ چھین کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ناکام کر دیا۔ اب شیطان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں جلے گا۔ اس کے غرور کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے پیچھے کر دیا۔

''ابو! وہ مچھر والی بات کے بارے میں آپ نے کہا تھا کہ بتائیں گے۔''

''چلو اچھا کیا آپ نے یاد دلا دیا۔''

''وہ واقعہ یہ تھا۔ نمرود ایک بہت بڑا بادشاہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بادشاہت میں رہتے ہوئے ذلیل کیا۔

اس بادشاہ کے دربار میں پہلے جو بھی آتا تو وہ اپنے آپ کو سجدہ کرواتا، لیکن اچانک ایک لنگڑا مچھر اس کے دماغ میں جا گھسا تو اب صورت حال یہ تھی۔

جو بھی آتا، پہلے اس سے سر میں جوتے لگواتا۔ جب سر میں جوتے لگتے تو اسے سکون اور آرام ملتا۔ پھر آنے والا اپنی ضرورت بیان کرتا۔ کہاں اپنے آپ کو سجدہ کروانا!!! اور کہاں ایک ملک کا بادشاہ!!! اور کہاں یہ جوتے!!!

یہ اسی کی شان ہے کہ کسی کو بلند مرتبہ دیتا ہے، اس لیے اسی کا ایک نام اَلْمُقَدِّمُ جَلَّ جَلَالُہٗ ہے اور کسی کو بلند مرتبے سے نیچے اور کم درجے پر لے آتا ہے۔ اس لیے اس کا ایک نام اَلْمُؤَخِّرُ جَلَّ جَلَالُہٗ ہے۔''

''ابو! کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے تاکہ ہر انسان اس طرح کے واقعات سے محفوظ رہ سکے۔'' ساجد نے سوال کیا جو بڑے غور سے ان واقعات کو سن رہا تھا۔

''بس بیٹا! دعا کرنے کے ساتھ ساتھ عاجزی بھی کرنی چاہیے۔ وہ ہماری ان راستوں سے حفاظت فرمائے جو بلندی سے پستیوں کی طرف لے جاتے ہیں۔''

یاد رکھنے کی باتیں

1- جو نعمت ہمیں ملے تو اس کو صرف اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھیں۔

2- اپنی ذہانت، اپنے علم، اپنی لکھائی، اپنے لباس پر کبھی غرور نہ کیا جائے اور نہ اترائے بلکہ یہ سمجھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

3- جو طالب علم بھی کلاس میں اوّل، دوم اور سوم پوزیشن حاصل کر لے تو ہم اس سے حسد کرنے نہ لگ جائیں بلکہ یہ سمجھیں کہ اسے اوّل، دوم، سوم پوزیشن اللہ تعالیٰ نے ہی عطا فرمائی ہے۔ ہاں اوّل پوزیشن حاصل کرنے کے لیے محنت اور دعا ضرور کرنی چاہیے۔ ☆☆☆

روزہ رکھنے کی دُعا

وَ بِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ ط

ترجمہ: میں کل کے روزے رمضان کی نیت کرتا ہوں۔

افطار کی دُعا

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ لَکَ صُمْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَ عَلَيْکَ تَوَکَّلْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ ط

ترجمہ: اے اللہ میں نے تیرے ہی لیے روزہ رکھا اور تجھ ہی پر بھروسا کیا اور تیرے ہی رزق پر افطار کیا۔

ایام رمضان کے لیے خاص دُعائیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

پہلا عشرۂ رحمت:

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ.

''اے میرے رب مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما، تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے۔''

دوسرا عشرۂ مغفرت:

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَيْهِ.

''میں اللہ سے تمام گناہوں کی بخشش مانگتا/ مانگتی ہوں جو میرا رب ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا/ کرتی ہوں۔''

تیسرا عشرۂ نجات:

اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنَّا.

''اے اللہ بے شک تو معاف کرنے والا ہے معاف کرنے کو پسند کرتا ہے پس ہمیں معاف فرما دے۔''

اس کے ساتھ کثرت سے

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا ذکر کریں............ یہ افضل الذکر ہے۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ .... یہ افضل الدعا ہے۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

عمارہ حسن

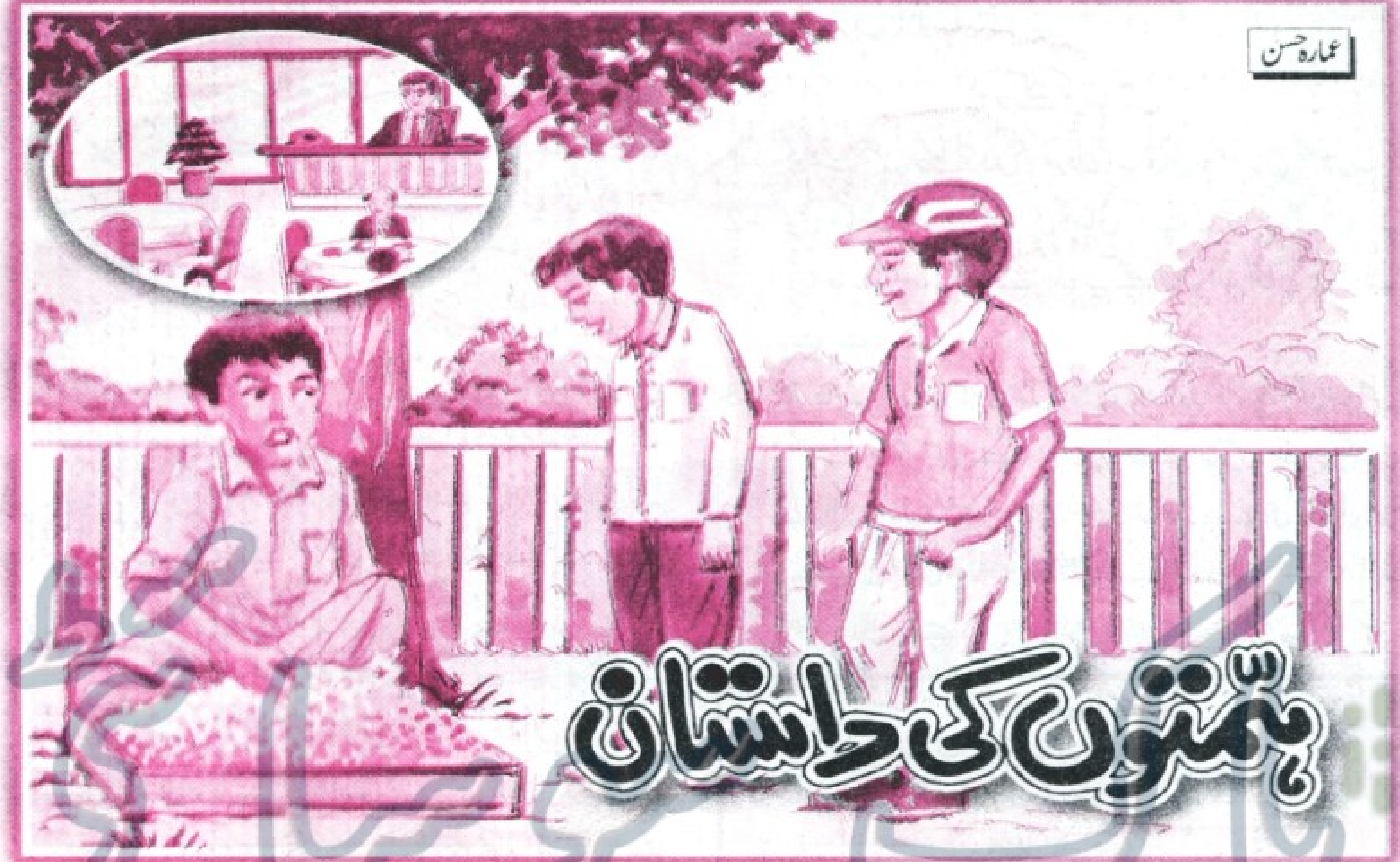

ہمتوں کی داستان

وہ ایک سرد رات تھی۔ باہر زور و شور سے بارش جاری تھی۔ اس کو لگ رہا تھا کہ باہر برستی بارش کے ساتھ اس کے اندر کا موسم بھی جل تھل ہو رہا ہے۔ اس کا نام احمد تھا۔ اس کی عمر محض دس سال تھی۔ اس کو اپنے بابا جان کے آخری الفاظ یاد آ رہے تھے۔ انہوں نے کہا تھا:

‘‘بیٹا زندگی جہدِ مسلسل کا نام ہے، یہاں وہی لوگ کام یاب ہوتے ہیں جو مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہیں اور مایوس نہیں ہوتے کیوں کہ مشکلات سے گھبرانا مومن کا شیوہ نہیں۔’’

اس کے والد اکثر اس کو ایک شعر سنایا کرتے تھے:

تندیٔ باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اُونچا اُڑانے کے لیے

احمد کے پیارے بابا جان دو دن پہلے دُنیا سے رخصت ہو گئے تھے اور ان کی کہی گئی باتوں کی بازگشت ابھی تک اس کو سنائی دے رہی تھی۔ وہ کھڑکی میں بیٹھا ٹپ ٹپ گرتے بارش کے قطروں کو دیکھ رہا تھا۔

……☆……

بابا جان کے انتقال کے بعد احمد کو زندگی کی تلخیوں کا اندازہ ہوا۔ گھریلو ذمہ داریاں اب احمد کے ننھے سے کاندھوں پر آ پڑی تھیں۔ احمد سب سے بڑا تھا جب کہ اس سے چھوٹی دو بہنیں اور ایک بھائی تھا۔ احمد کی امی نے سلائی کڑھائی کا کام شروع کر دیا تھا۔ بچپن میں ماں سے سیکھا گیا ہنر آج ان کے کام آ رہا تھا۔ زندگی کی گاڑی جیسے تیسے کھنچ رہی تھی۔ احمد بچہ ضرور تھا لیکن وقت نے اس کو حساس بنا دیا تھا۔ اس کو نظر آ رہا تھا کہ تعلیم جاری رکھنے کے لیے اب اس کو ماں کے ساتھ کوئی کام بھی کرنا ہو گا۔ پہلے اس کا معمول تھا کہ وہ صبح اُٹھ کر فجر کی نماز ادا کرتا اور اسکول کی جانب روانہ ہو جاتا۔ اب اس کے معمولات میں فرق آ گیا تھا۔ اس نے اپنے علاقے کی اخبار ایجنسی سے بات کی تھی اور اس کو روزانہ صبح صبح لوگوں کے گھر اخبار ڈالنے کی ذمہ داری نبھانا تھی۔ یہ ذمہ داری اس کی ضرورت تھی کیوں کہ اس نے اپنی امی کا ہاتھ بٹانے کے ساتھ اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کے مستقبل کے بارے میں بھی سوچنا تھا۔

اب احمد کا معمول بن گیا تھا، وہ صبح لوگوں کے گھر اخبار ڈالنے جاتا پھر وہاں سے اسکول روانہ ہو جاتا۔ گھر واپس آتا، کھانا کھا کر اور نماز سے فارغ ہو کر اپنی امی کا ہاتھ بٹاتا اور بہن بھائیوں کو پڑھاتا۔ دن یوں ہی گزر رہے تھے۔ وہ بہت ایمان داری سے اخبار ڈالنے کی ذمہ داری نبھا رہا تھا مگر مہنگائی کے دور میں اخبار ایجنسی سے ملنے والی رقم ناکافی تھی۔ اب وہ شام میں کوئی اور کام کرنے کا سوچ رہا تھا۔……☆

ایک دن اسکول سے واپس آ کر احمد اپنی امی کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ وہ کپڑے سینے میں مصروف تھیں۔ مشین کی گھرررر گھررر پورے کمرے میں ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔

''امی، مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔'' ہمت کر کے احمد نے کہنا شروع کیا۔ امی نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور سر ہلا دیا۔ گویا یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ اپنی بات جاری رکھے۔

احمد نے کہا۔ ''امی! میں نے سوچا ہے کہ میں شام کے وقت کوئی کام کروں گا۔''

امی نے چونک کر احمد کی طرف دیکھا۔ ''بیٹا! تم ابھی پڑھ رہے ہو، اپنی پڑھائی پر توجہ دو۔''

احمد نے جواباً کہا۔ ''امی آپ جانتی ہیں، میں اپنی جماعت کا ذہین بچہ ہوں۔ آپ کو میری طرف سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔''

ماں نے بیٹے کی طرف دیکھا، بلاشبہ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ ان کی آنکھوں میں نمی سی آ گئی جس کو انہوں نے فوراً چھپا لیا۔

گھریلو حالات دیکھتے ہوا انہوں نے بیٹے کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔

احمد کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ ماں نے رشک سے اپنے ننھے سے بیٹے کی طرف دیکھا۔ دل میں کتنی ہی دعائیں اپنے لعل کو دے ڈالیں۔

پہلے دن امی نے احمد کو ایک چھوٹے سے تھال میں چنا چاٹ بنا کر دی۔ احمد نے چنا چاٹ فروخت کرنے کے لیے محلے کے بازار کا انتخاب کیا اور ایک درخت کے نیچے ایک کپڑا بچھا کر اپنا تھال اس پر رکھ دیا۔ گھر سے لائی ہوئی دو پلیٹیں اور چمچ بھی رکھے اور خود وہیں گھاس پر بیٹھ گیا۔ اب اس کو بے چینی سے گاہکوں کا انتظار تھا۔ شام کا وقت تھا۔ دو بچے قریبی دُکان سے سودا لینے آئے تھے۔ انہوں نے چنا چاٹ دیکھی تو منہ میں پانی بھر آیا۔ بچوں نے احمد سے چنا چاٹ کی قیمت پوچھی، یہ اس کے پہلے گاہک تھے۔ اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ احمد نے مناسب قیمت پر دونوں کو چنا چاٹ دی۔

☆……

اگلے دن احمد معمول کے مطابق اُٹھا، نماز ادا کی، ناشتا کیا اور اخبار ڈالنے گھروں کی طرف روانہ ہوا، وہاں سے سیدھا اسکول پہنچا۔ کلاس میں داخل ہوا تو اس کا ایک ہم جماعت اُونچی اُونچی آواز میں گانے لگا۔

چاٹ والا آیا ہے
چاٹ لے کر آیا ہے

سب بچے قہقہے لگانے لگے۔ احمد کی آنکھوں میں آنسو آ گئے لیکن وہ خاموش رہا۔ کسی ہم جماعت نے اس کو چاٹ بیچتے دیکھ لیا تھا اور اب اس کا مذاق اُڑانے لگے۔ ہم جماعتوں کے طنزیہ جملوں پر اس کا بہت دل دکھا تھا۔ مگر اس کو اپنے بابا جان کے آخری الفاظ یاد آ گئے تھے۔ اس نے مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرنا تھا۔ دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے وہ آدھی چھٹی کے وقت باتھ روم میں آنسو بہا آیا تھا۔ آخر بچہ ہی تو تھا۔

☆……

دن یوں ہی گزرتے گئے۔ لوگوں کی کڑوی کسیلی باتیں برداشت کرتے ہوئے۔ احمد نے بچت کر کے ایک پلاسٹک کی میز اور دو کرسیاں خرید لی تھیں۔ اسی درخت کے نیچے اس نے اپنی میز بچھائی۔ اب وہ اپنا چنا چاٹ کا تھال میز پر رکھتا۔ وقت کے ساتھ ساتھ گاہکوں کا اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی چاٹ کو اہلِ محلّہ بہت پسند کرنے لگے تھے۔ گاہکوں کے اضافے کے ساتھ اس نے چاٹ کی مقدار میں اضافہ کر دیا تھا۔ اب وہ پہلے کی نسبت دگنی چاٹ بنوا کر لاتا۔ یہ کامیابی کی طرف احمد کا پہلا قدم تھا۔ گھر واپس آ کر وہ اپنے بہن بھائیوں کو خوب پڑھاتا۔ اس کی زندگی کا محور و مرکز اب اس کے بہن بھائی ہی تھے۔

☆……

احمد کے اندر نیکی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ایک دفعہ وہ اپنے گاہکوں سے فارغ ہو کر بیٹھا تھا کہ اس کی نظر سامنے بیٹھے بوڑھے پر پڑی۔ وہ بار بار چنا چاٹ کی طرف دیکھتا۔ احمد نے خاموشی سے ایک پلیٹ میں چنا چاٹ ڈالی اور بوڑھے بابا کو دے دی۔ غریب کی آنکھوں میں مارے خوشی کے آنسو آ گئے۔ انہوں نے دل کی گہرائیوں سے کتنی ہی دعاؤں سے احمد کو نوازا۔ اس ہی طرح خلقِ خدا کی خاموشی سے خدمت کرنا احمد کی عادت تھی۔ اگر کبھی اس کو لگتا کہ کوئی بچہ پیسے نہیں دے سکتا تو وہ اس کو بغیر پیسوں کے چاٹ دے دیتا اور پلٹ کر دوبارہ کبھی ذکر بھی نہ کرتا۔ وہ غریب ضرور تھا مگر اس کا دل بہت بڑا تھا۔

☆……

وقت گزرتا گیا۔ گرمی ہو یا سردی احمد محنت سے کام کرتا رہا۔ تعلیم اس نے میٹرک تک حاصل کی، پھر بس اپنے کام پر بھرپور توجہ دینے لگا۔ اس کا عزم تھا اپنے بہن بھائیوں کو پڑھانا۔ دن رات ایک کر کے وہ ایمان داری سے حلال روزی کماتا۔ وہ ہمیشہ خوش باش نظر آتا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ تھکتا نہیں تھا۔ اس کی عمر کے بچے جب کھیل کود میں مشغول ہوتے تو وہ کام کر رہا ہوتا تھا لیکن اس نے اپنی تھکاوٹ دور کرنے کا ایک حل ڈھونڈ (بقیہ: صفحہ نمبر 39)

نگاہ پڑنے نہ پائے یتیم بچوں کی!

اختر سردار چودھری

باہمت ہونے کا مطلب ہے مشکل حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا۔ وہ انسان جو ایسا کارنامہ سرانجام دے، دوسروں کے مشعلِ راہ بن جائے، اسے باہمت کہا جاتا ہے۔ اس کے لیے بہت سی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ قائداعظم کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ان کے کتنے مخالفین تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے ہمت نہیں ہاری اور اپنا مقصد حاصل کر لیا۔ بھارت میں ایک معلّمہ بستی ہے۔ ان کے دونوں ہاتھ اور بازو نہیں ہیں۔ بھیک مانگنے کی بجائے وہ ایک اسکول میں پڑھا رہی ہیں۔ اپنے پاؤں سے بلیک بورڈ اور کاپی پر لکھتی ہیں۔

اسی طرح کئی ایک معذور بہت سے مقابلہ جات میں انعام حاصل کر چکے ہیں۔ معذور جب کسی مقابلہ میں فرسٹ آ جائے تو اسے ہم ہمت والا کہتے ہیں۔ ہیلن کیلر کا نام تو آپ نے سنا ہوگا۔ وہ آنکھوں سے نابینا تھیں لیکن دل کی بینا تھی۔ انہوں نے ادب میں اپنا نام روشن کیا۔ ہم کہیں گے کہ وہ ہمت والی تھی۔

لڑکا یا لڑکی کے بلوغت سے پہلے کی عمر کو بچہ کہتے ہیں، جسے ہمارے ہاں عام طور پر سولہ سال سمجھا جاتا ہے۔ اب رہ گئی یتیم کی بات تو یتیم اسے کہا جاتا ہے جس کا والد فوت ہو گیا ہو، اس کی خواہ کوئی بھی عمر ہو۔ امیر خاندان سے تعلق رکھتا ہو یا غریب سے لیکن یتیم کا عمومی مطلب ہم یہ لیتے ہیں کہ ایک نابالغ بچے کے سر سے اس کے والد کا سایہ اُٹھ جانا۔ یتیم کا لفظ لڑکے اور لڑکی دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کی جمع یتامیٰ ہے۔ یتیم باہمت بچے، یہ ہمارا موضوع ہے۔ یتیم بچوں نے بھی اپنی ہمت سے وہ کارنامے سرانجام دیئے ہیں کہ عقل حیران رہ جائے۔ اس کی سب سے اہم اور حرفِ آخر مثال ہمارے نبی ﷺ کی ہے۔ ویسے بھی آقا ﷺ کی زندگی ہمارے لیے نمونہ ہے لیکن ایک یتیم کو آپؐ کی زندگی سے لازمی رہنمائی حاصل کرنی چاہیے۔

اللہ سبحان و تعالیٰ نے زور والوں کا زور توڑنے کے لیے، گھمنڈ والوں کو نیچا دکھانے کے لیے، ایک بے یار و مددگار یتیم بچہ جس کی ولادت سے قبل ہی اس کے باپ کو اُٹھا لیا جاتا ہے، عرب کی سرزمین پر پیدا فرمایا۔ جس بچے نے یتیمی میں پرورش پائی...... وہ باہمت بچہ جوان ہوا تو اسے حکم ملا کہ اپنے خاندان، قبیلے، ملک ہی نہیں بلکہ ساری دُنیا تک اللہ کی وحدانیت کا پیغام پہنچائے اور پھر دُنیا نے دیکھا کہ اس یتیم کے ذکر و یاد کی مثال مل نہیں سکتی۔

پاکستان میں موجود 50 لاکھ کے قریب یتیم ہیں، جن کی حتمی تعداد کا تعین ممکن نہیں ہے۔ اس کی درجنوں وجوہات ہیں، سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ اب تک کسی بھی حکومت کی یہ ترجیح نہیں رہی کہ ایسے اعداد و شمار اکٹھے کیے جائیں۔ اس کے لیے ادارے بنائے

ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

جائیں تاکہ ان معلومات کو سامنے رکھ کر پالیسیاں بنائی جا سکیں۔ بدقسمتی یہ ہے کہ اگر ادارے بن بھی جائیں تو وہاں بدعنوانی کی وجہ سے حقیقی ڈیٹا اکٹھا کرنا مشکل ہوگا۔ دوسری وجہ مردم شماری کا نہ ہونا ہے۔ پھر خاندانی نظام ایسا ہے کہ یتیم بچوں کی کفالت کا ذمہ اس کے چچا ماموں اُٹھا لیتے ہیں۔ بہرحال ان یتیم بچوں میں سے نصف سے زائد بچوں کو ان کے خاندان پال رہے ہیں۔ عموماً جو رشتہ دار یتیم بچوں کو پناہ دیتے ہیں، وہ ان سے گھروں میں ملازموں جیسا سلوک کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی بدتر۔

ان یتیم اور معصوم بچوں کے جذبات و احساسات کو ایسے کچلا جاتا ہے کہ وہ نفسیاتی مریض بن کر رہ جاتے ہیں۔ اسکول جاتے بچوں کو جب وہ دیکھتے ہیں، ان کے اندر کیسی قیامت گزر جاتی ہے۔ کھیلنے کی عمر میں ان کو ورکشاپوں، ہوٹلوں، دُکانوں پر کام کرنا پڑتا ہے۔ ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہمارے بچے بھی کل یتیم ہو سکتے ہیں۔ محبوب ظفر صاحب نے کیا خوب منظر نگاری کی ہے:

نگاہ پڑنے نہ پائے یتیم بچوں کی
ذرا چھپا کے کھلونے دُکان میں رکھنا

اللہ تعالیٰ نے حقیقی نیکی کے بارے میں فرمایا ہے کہ ''نیکی کا اصل مزاج یہ نہیں کہ تم اپنا رُخ مشرق یا مغرب کی طرف کر لو بلکہ نیکی کی اصل سے آشنا وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ، روزِ آخر، فرشتوں، اللہ تعالیٰ کی کتاب اور سارے پیغمبروں پر ایمان لائے اور حقیقی محبت کی بنیاد پر اپنا مال قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، راہ نشینوں، مانگنے والوں اور بندھنوں میں جکڑے ہوئے لوگوں پر خرچ کرے اور نماز قائم رکھے اور زکوٰۃ ادا کرتا رہے اور وہ لوگ جو کوئی صحیح عہد کر لیں تو اسے پورا کرتے ہیں جو مشکل، تنگی، تکلیف اور معرکہ جنگ میں جہاد کے وقت ثابت قدم رہتے ہیں یہی لوگ ہیں با اخلاص اور سچے اور یہی لوگ پرہیزگار ہیں۔''

''حضرت سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا شخص جنت میں اِس طرح ہوں گے۔'' (آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی سے اشارہ کیا اور دونوں کے درمیان کچھ فاصلہ رکھا۔)

اندیشہ فرید جس دن پیدا ہوئی، اسی دن روس نے افغانستان پر حملہ کیا تھا اور اس کا سارا گھر تباہ ہوگیا تھا۔ اندیشہ کا بچپن بطور ایک پناہ گزین گزرا۔ جنگ جاری رہی، اس کے اردگرد یتیم بچے جمع ہوتے چلے گئے جن کے والدین دشمن کی اندھی گولی کا نشانہ بن چکے ہوتے۔ جب انہیں اندازہ ہوا کہ یتیم اور بے سہارا بچوں کی زندگی کتنی کٹھن ہوتی ہے تو اس نے یتیم بچوں کے لیے کچھ کرنے کا عزم کیا اور آخرکار باہمت اندیشہ فرید نے چند سال قبل کابل میں یتیم بچوں کے لیے افغان چائلڈ ایجوکیشن اینڈ کیئر آرگنائزیشن قائم کی یعنی یتیم خانہ کھولا۔ ان کی اس کاوش کو بین الاقوامی سطح پر بھی سراہا جا رہا ہے۔ امریکی صدر باراک اوباما نے بھی اندیشہ کی کوششوں کا اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا۔ ''اندیشہ فرید ایک غیر معمولی خاتون ہیں، جنہوں نے گوناگوں خطرات کے باوجود افغانستان میں نئی نسل کو تعلیم دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ ان کی اس کاوش سے افغانستان کا ایسا مستقبل ممکن ہے، جہاں سب کے لیے خوشحالی اور ترقی ممکن ہو۔''

وہ خود کہتی ہیں کہ ''میں ان خوبصورت بچوں کو افغانستان کا مستقبل بہتر بناتے ہوئے دیکھنا چاہتی ہوں۔ میں انجینئرز کو اس ملک کی تعمیر کرتے اور ڈاکٹروں کو افغان شہریوں کی دیکھ بھال کرتے دیکھنا چاہتی ہوں۔ ہمارے ملک میں اُستادوں کی ضرورت ہے۔ ہمیں ان یتیم بچوں کو ایک محفوظ اور پُرامن ماحول فراہم کرنا ہے جس سے ان کی زندگیوں میں ایک بڑی تبدیلی آ سکتی ہے اور پھر یہی بچے افغانستان کے مستقبل میں بھی بڑی تبدیلی لائیں گے۔'' یہ ایک باہمت بچی کی داستان تھی۔ گزشتہ تین سال سے یتیم بچوں کا عالمی دن بھی منایا جا رہا ہے۔ اس کی ابتدا دسمبر 2013ء کو ہوئی، جب ترکی کی ایک مذہبی تنظیم نے 15 رمضان کو یتیم بچوں کا عالمی دن منانے کی تجویز دی تھی جسے او آئی سی نے قبول کر لیا۔ اب مسلمان ممالک میں ہر سال 15 رمضان کو یتیم بچوں کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔ اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق دُنیا میں اس وقت 153 ملین بچے ایسے ہیں جو اپنے ماں باپ کو کھو کر یتیمی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ بہت سے ممالک میں یتیم بچوں کی پرورش کا انتظام حکومت نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔

حکومت پاکستان نے بھی یتیم بچوں کے لیے چائلڈ پروٹیکشن کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہے۔ مذہبی و فلاحی تنظیموں نے بھی یتیم بچوں کے لیے ادارے بنائے۔

☆☆☆

سمعیہ بی بی

دِیا میرے لہو سے ہی روشن ہوگا!

جاگو کہ جاگنے سے تقدیر جاگتی ہے
اُٹھو تمہاری منزل تم کو پکارتی ہے
باطل سے دب کے رہنا توہین زندگی ہے
اب دل میں آگ بھر دو اب ختم رات کر دو
اے صبح کے نشانو! الفتح کے جوانوں!

دُنیا ایک ایسا چمن ہے جس کو پیدا کرنے والا پاک پروردگار ہے لیکن اس کا نائب حضرت انسان ہے جس کو خدا نے اشرف المخلوقات کا لقب دیا ہے۔ اس چمن میں ہر قسم کے پھول ہیں۔ کانٹے بھی دکھ بھی سکھ بھی خوشی بھی غمی بھی یتیم بھی مسکین بھی سہارا دار بھی بے سہارا بھی امیر بھی فقیر بھی چور بھی بے گناہ بھی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسانوں میں یہ فرق کیوں رکھا گیا ہے، سب لوگ ایک جیسے کیوں نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس فرق سے کائنات کے نظام میں جو پہچان ملتی ہے، وہ ہمارے یقین کو مضبوط بنا کر خدا کے بہت قریب لے جاتی ہے۔ جب انسانی عقل گہرائی میں جائے تو ہمارے سامنے رحمتِ خداوندی کا تصور ملتا ہے اور اگر انسان بُرے اعمال نہ چھوڑے تو قہرِ الٰہی کا نزول ملتا ہے۔ نیک لوگوں کو عبادتِ الٰہی کے ذریعے انسانیت کے یہ درجے قدرت کو پہچاننے میں مددگار ثابت تو ہوتے ہی ہیں، ہمیں تصوف کے درجے پر لا کر رب سے ملانے کے بعد قربِ الٰہی کا منظور نظر بھی بنا دیتے ہیں۔ اگر تاریخِ انسانی کے اوراق کو پلٹا جائے تو پتا چلتا ہے کہ 14 سو سال پہلے مکہ میں پیدا ہونے والے ایک یتیم بچے کی پیدائش کی شکل میں دُنیا کو دو عالم کے سردار، تاج دار حرم حضرت محمد ﷺ ملے۔ آپؐ کے آنے سے پہلے دُنیا میں ظلم تھا۔ آپؐ کی آمد یتیمی کی شکل میں ہوئی۔ اس کے پیچھے قدرت کا راز پوشیدہ تھا، وہ یہ کہ آپؐ نے قیامت تک کروڑوں بے سہارا اور یتیموں کا سہارا بننا تھا۔ آج بھی دُنیا میں جو انقلاب برپا ہوا ہے، اس کے پیچھے جو حقیقت چھپی ہے، اس میں تاریخ گواہ ہے کہ باہمت بچوں نے ہمیشہ انقلاب پیدا کر دیئے۔ جب ہمارے نبی ﷺ نمازِ

عید کے لیے جا رہے تھے۔ تو جناب حسنؓ و حسینؓ آپ کے ساتھ جا رہے تھے راستے میں ایک یتیم کو دیکھا جو رو رہا تھا۔ اس واقعہ سے متاثر ہو کر جناب حسینؓ نے اپنا نیا لباس اس یتیم کو پیش کر دیا۔ اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ دُنیا میں سب سے زیادہ مدد مسلمان فاتحین، صحابہ کرامؓ، اولیاء اور بے شمار انسانوں نے یتیم اور بے سہاروں کو سہارا دے کر معاشرے کا مفید انسان بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

دُنیا کا کوئی مذہب بچوں سے ظلم اور زیادتی کی اجازت نہیں دیتا حتیٰ کہ جنگ میں بھی بچوں کو قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلم بھی یتیم اور بے سہارا بچوں کے لیے کئی کام سر انجام دے رہے ہیں۔ اس وقت دُنیا میں بہت سے ادارے، یتیم خانے اور چائلڈ پروٹیکشن سنٹر بنائے گئے ہیں۔ پاکستان میں بھی یہ ادارے موجود ہیں جو کام کر رہے ہیں۔

گندم امیرِ شہر کی بھیگتی رہی رات بھر
بیٹی غریب کی فاقوں سے مر گئی

اس وقت اگر غور کیا جائے تو اُن بچوں کے بے پناہ مسائل ہیں جو بے سہارا ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان بچوں کو کوئی بھی پوچھتا نہیں۔ اُلٹا در بدر کی ٹھوکریں کھائی جاتی ہیں۔ ان کی غربت، یتیمی اور بے سہارا ہونا کوئی جرم تو نہیں ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ہم اُن سے نفرت کیوں کرتے ہیں۔ اُن کو تکلیف کیوں دیتے ہیں، ہم اُن کی جائیداد، زمین کیوں چھین لیتے ہیں، ہم اُن کا دل کیوں توڑتے ہیں۔ وجہ صرف اتنی ہے کہ کمزور دیکھ کے گرانا تو اس وقت رواج چل نکلا ہے۔

ہم ایک لمحے کو نہیں سوچتے کہ اُن بچوں کے مسائل کیا ہیں، اُن کو دُور کیسے کیا جائے۔ ہم اُن سے کتراتے ہیں تاکہ اُن کی مدد نہ کی جائے۔ وہ کچھ مانگ نہ لے جب کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ اُن کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھا جائے تو ہمارے اپنے اعمال اچھے ہوں گے اور گناہ ختم ہوں گے۔

ایسے بچے جب در بدر کی ٹھوکریں کھاتے ہیں تو بے شمار غیر اخلاقی بُرائیوں کا شکار ہو کر مجرم بن جاتے ہیں۔ ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ اُن کے سر پر چھت نہیں ہوتی، کوئی ان کی ضروریات کا خیال نہیں رکھتا۔ وہ ٹھوکریں کھا کے جب حسرت بھری نگاہوں سے مدد کے لیے نکلتے ہیں تو لوگ ان کا ساتھ دینے کی بجائے ان کو دھوکا دیتے ہیں۔ دل میں ارمان لے کر حسرت بھری نگاہوں سے لوگوں کے گھروں میں کام کے لیے جاتے ہیں تو لوگ ان سے کام لے کر ان کو دھکے دے کر نکال دیتے ہیں یا اُن پر چوری کا الزام لگا کر تشدد کا نشانہ بناتے ہیں۔ ایسے بچے جب ملازمت کے لیے جاتے ہیں تو اُن کو کوئی نہیں رکھتا۔

ہے کون زمانے میں میرا پوچھنے والا
ناداں ہیں جو کہتے ہیں کہ گھر کیوں نہیں جاتے

اگر زمین بچانے کے لیے کسی کا سہارا لیں تو لوگ زمین اپنے نام کروا کر ان کو نکال دیتے ہیں۔ اگر کسی سے بات کریں تو لوگ ان پر چوری کے مقدمات کروا دیتے ہیں۔ جب زمانہ ان سے نفرت کرے تو یہ بچے تنگ آ کر گینگ وار کے ہاتھوں اغوا ہو کر مختلف تنظیموں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں اور وہاں اُن کو دہشت گردوں تک رسائی ملتی ہے جہاں وہ تباہی کے گروپ میں شامل ہو کر ملک و قوم نہیں دُنیا کے لیے خطرناک مخلوق بن جاتے ہیں۔ آج تک مختلف اداروں نے بہت اچھے کام کیے ہیں مگر ان بچوں تک رسائی اور ان کی وجوہات تک نہیں پہنچ پائے کہ اصل وجوہات کیا ہیں، جرم کی اصل وجہ کیا ہے۔ اس وقت دُنیا میں جس چیز کی کمی ہے، وہ اخلاقیات اور اخلاقی تقاضوں کی کمی ہے۔ اس کے بعد ہم قرآن اور سنت نبی ﷺ کو چھوڑ کر غلط راستوں پر چل پڑے ہیں جس کی وجہ سے ہمارے ایمان اور دلوں سے خوف خدا نکل گیا ہے۔

(بقیہ: صفحہ نمبر 7 پر)

یتیم معاشرے کا مظلوم طبقہ

ثروت کنول

فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْھَرْ ○ ترجمہ: ''لہٰذا یتیم پر سختی نہ کرنا۔''

حدیث شریف میں ہے: ''مسلمانوں کے گھر میں وہ بہت اچھا گھر ہے جس میں یتیم کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہے اور وہ بہت بُرا گھر ہے جس میں یتیم کے ساتھ بُرا برتاؤ کیا جاتا ہے۔''

مندرجہ بالا آیت اور حدیث کو پہلے لکھنے کا مقصد صرف اور صرف یتیم کی اہمیت کو اُجاگر کرنا ہے کہ اس کا ذکر قرآن میں بیشتر مقام پر ملتا ہے۔ کہیں یتیم کے مال کی حفاظت کا ذکر اور کہیں اس کو پناہ دینے اور اپنے ساتھ کھلانے کی ترغیب۔ اسی طرح احادیث مبارکہ میں یتیم کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والے کے لیے جنت کی بشارت دی گئی ہے مگر افسوس آج کل ہمارے معاشرے میں یتیم مسکین کے ساتھ جو ناروا سلوک روا رکھا جاتا ہے اور جس حقارت سے اسے دیکھا جاتا ہے، وہ سب کے سامنے ہے۔ شاید ہی کوئی گھرانہ ہو جس میں یتیم کے ساتھ اچھا سلوک اور برتاؤ کیا جاتا ہو۔ آئے دن اخبارات اور بیشتر ٹی وی چینلز پر اس طرح کی خبریں نظر آتی ہیں کہ فلاں یتیم پر چچا نے ظلم کیا یا فلاں بچے پر مالک کے تیزاب گرانے کے واقعات۔

میں نے اپنے مضمون میں کوئی اعداد و شمار اکٹھے نہیں کیے اور نہ ہی یہ اتنی اہمیت کے حامل ہیں۔ اصل چیز یہ ہے کہ کیوں ان بچوں کے ساتھ بُرا سلوک کیا جاتا ہے، کیوں وہ کسم پرسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، بچے کا یتیم ہونا اس کا جرم کیوں گردانا جاتا ہے، کیوں اس کے بچپن کو شوخیوں سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ وہ سلوک کیوں کیا جاتا ہے جس کا وہ ہرگز ہرگز سزاوار نہیں ہوتا۔ میرے خیال میں اس کی وجہ صرف اور صرف اسلام سے دُوری اور بے رُخی ہے۔ اگر ہمارا معاشرہ ان تمام تعلیمات پر عمل کرے جو اسلام نے ہمیں سکھائی ہیں، احساس، مروت، رواداری، ہمدردی جیسی خصوصیات پیدا ہو جائیں تو ہمارا معاشرہ جنت نظیر سے کم نہ ہو۔

ہمارے ہاں یتیم بچوں کو احساسِ کمتری میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ انہیں زندگی کی دوڑ میں بہت پیچھے دھکیل دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی ان مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے آگے بڑھے تو لوگوں کا حسد اور مالی مشکلات آڑے آ جاتی ہیں۔ آج بھی میری نگاہوں کے سامنے وہ مضمون ہے کہ جس میں ایک ہونہار انٹرویو کے لیے گیا۔ اس سے چالیس کے قریب سوال کیے گئے اور اس نے تمام کے صحیح جواب دیئے مگر پھر بھی اس کو نوکری نہ دی گئی۔ کیوں......؟ کیوں کہ اس کے پاس کوئی سفارش نہ تھی اور اگلے ہی سال اس نوجوان کا نام ان ڈاکوؤں کی فہرست میں شامل تھا جو پولیس مقابلے میں مارے گئے تھے۔

جو گراں تھے سینہ خاک پر وہی بن کے بیٹھے ہیں معتبر
جنہیں زندگی کا شعور تھا انہیں بے زری نے مٹا دیا

یہ کیا ہے؟ صرف اور صرف اسلام سے دُوری ہی تو ہے۔ اسلام تو دین مبین ہے، ہر چیز کو کھول کھول کر اس میں بیان کیا گیا

ہے۔ اللہ کے ہر کام میں حکمت ہے۔ اس ذات نے اپنے برگزیدہ پیغمبر کو ''دُرِیتیم'' بنا کر بھیجا تاکہ یتیم بچے احساس کمتری میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ ہمارے لیے اسلامی تعلیمات سے بڑھ کر کوئی چیز اہم نہیں ہونی چاہیے تھی مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج ہم نے دینِ اسلام کے علاوہ ہر چیز کو اہمیت دی ہے۔ ہم خود کو فخریہ مسلمان تو کہلواتے ہیں لیکن ہم میں سے کتنے ہیں جو اسلامی تعلیمات پر عمل بھی کرتے ہیں؟ کتنوں نے یتیموں کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اس سلسلے میں بھی اسلام ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ ہمارے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام جو خود ''دُرِیتیم'' ہیں، عید والے دن ایک یتیم بچے کو دیکھا کہ اس کے کپڑے بھی اچھے نہیں اور وہ مسلسل روئے چلا جا رہا ہے۔ آپؐ اسے اپنے گھر لے آئے، یہ ہے اسلام۔

یتیم بچے بھی دوسرے بچوں کی طرح انسان ہیں، معصوم ہیں۔ حدیث کے مصداق جنت کے پھول ہیں۔ ان میں بھی دوسرے بچوں کی طرح خصوصیات پائی جاتی ہیں، بس ان کو ہیرے کی طرح تراشنے کی ضرورت ہے۔ کیا فرق پڑتا ہے کہ ہیرا مٹی اور کیچڑ سے ہی ملے۔ اس سے ہیرے کی قیمت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

آج بے شمار بچے اینٹوں کے بھٹوں پر کام کرتے ہیں کلیوں کی طرح نازک ہاتھ اینٹوں کی مثل سخت ہو جاتے ہیں۔ ورک شاپ اور ہوٹلوں پر اکثر تعداد ان یتیموں کی ہی ہوتی ہے جنھیں حالات اسکول، پارکوں سے ورک شاپوں اور مزدوری تک پہنچا دیتے ہیں۔ ان میں بیشتر وہی ہوتے ہیں جن پر باپ کی وفات کے بعد خاندان کی کفالت کا بوجھ آن پڑتا ہے۔ پھر ان معصوموں کے ہاتھ میں قلم، کاغذ کی بجائے گاڑی ٹھیک کرنے کے اوزار آ جاتے ہیں اور کبھی مار دھاڑ ان پر عیاں ہوتی رہتی ہیں۔

یہ سب تو ایک طرف، سب سے گھناؤنے جرم کا ارتکاب وہ درندہ صفت لوگ کر رہے ہیں جو ان جنت کے پھولوں کو مختلف طریقوں سے معذور کر کے ان سے بھیک منگواتے ہیں اور اگر پیسے مقررہ شرح سے کم ہوں تو مار شاید ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ ان میں وہ یتیم بچے بھی ہیں جو کاغذ وغیرہ کی تلاش میں کبھی اپنے ننھے ہاتھوں کو کوڑے میں آلودہ کرتے ہیں اور کبھی روٹی کے ٹکڑوں کے لیے۔ کیا یتیمی، مسکینی ان کا جرم ہے جو وہ یہ کام کریں اور بعض وہ ہیں جو دوسروں کے گھروں میں کام کرتے ہیں۔ ان میں یتیم، مسکین بچے بچیاں دونوں شامل ہیں۔ کبھی ان کو مالک کی ہوس زدہ نظروں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور کبھی ان کی جھڑکیاں سننے کو ملتی ہیں۔ یہ مضمون لکھتے ہوئے دل خون کے آنسو روتا ہے۔ اکثر اخبارات انھی خبروں پر روشنی ڈال رہے ہوتے ہیں کہ مالکن نے فلاں ملازمہ کے بال کاٹ دیئے وغیرہ وغیرہ۔ کبھی برتن ٹوٹنے پر مالکن کا ظلم اور کبھی سودا سلف کے پیسے گم جانے پر مالک کا تشدد۔

میرا دل کہتا ہے کہ وہ یقیناً یہ سوال خود سے کرتے ہوں گے کہ آخر ان کا قصور کیا ہے؟ حکومت نے چند ایک اقدامات چند ایک جگہوں پر کیے ہیں مگر ابھی یہ کم ہیں۔ ان میں تیزی لانے کی ضرورت ہے کیوں کہ پھر یہی معصوم بچے ہیں جو ظلم کا حساب لینے کے لیے چور، ڈاکو کا روپ دھار لیتے ہیں اور اپنے لیے اور دوسروں کے لیے زحمت کا سبب بنتے ہیں۔

اس سلسلے میں ذمہ داری صرف حکومت پر نہیں بلکہ مسلمان ہونے کے ناتے ہم سب پر عائد ہوتی ہے۔ اگر ہم انفرادی طور پر صرف اپنے اپنے خاندان کے ایک ایک بچے کی کفالت کا ذمہ لے لیں، ان کے درمیان اور اپنے بچوں کے درمیان کوئی فرق روا نہ رکھیں تو بات کہاں سے کہاں پہنچ جائے گی اور پھر اخبارات، ٹی وی چینلز پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ صرف ان پر ظلم و تشدد کے واقعات بڑھا چڑھا کر بیان نہ کریں بلکہ ان کو اس ظلم سے نجات دلائیں اور اس سلسلے میں عمل میں لائی گئی مثبت سرگرمیوں کو زیادہ سے زیادہ دکھائیں تاکہ اوروں میں بھی یہ مثبت جذبہ پیدا ہو سکے اور پھر حکومت کو چاہیے کہ بچوں کی تعلیم صرف میٹرک تک فری کر کے خود کو فرائض سے آزاد نہ سمجھیں بلکہ اس کے بعد فری تعلیم زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ ان کے لیے خاص فنڈز مختص کریں، ان کو وظائف دیں۔ کچی آبادیوں کا سروے کریں تاکہ ان بے چارے لوگوں کا بھی کوئی پرسان حال ہو۔ ان یتیم اور چھوٹے بچوں سے مشقت طلب کام کروانے والوں کو زیرِ حراست لیا جائے اور ان کو کڑی سزا دی جائے۔ اگر کسی یتیم کا باپ کوئی دولت چھوڑ کر مرا ہے تو اس پر خدارا ان کے رشتہ دار قبضہ نہ کریں بلکہ حفاظت کریں جیسے کہ قرآن پاک نے حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا ہے کہ جنھوں نے بغیر کسی معاوضہ کے یتیم بچوں کی دیوار تعمیر کی تھی۔ خدارا! اسلام سے رہنمائی لیں۔

☆☆☆

باہمت بچے

بابا کے خواب

نہیں ہے میرے سنگ بابا کا ساتھ
مگر خواب ان کے ہیں میرے ہاتھ
ہر پل انہوں نے مجھ سے کہا
ہمت کرو گرچہ رستہ
کانٹوں میں ہو پرویا ہوا
دل میں رکھنا پڑھنے کی لگن
کہ بننا ہے اک اچھا انسان
کرم کرے گی رب کی ذات
نہیں ہے میرے سنگ بابا کا ساتھ
مگر خواب ان کے ہیں میرے ہاتھ
میں اُمتی اس نبی کا ہوں
پیدا جو یتیم ہوا
سنت پہ نظر ڈالوں تو
حوصلہ بڑھ جاتا ہے
محبتوں کے ڈھیر میں
بس ہے اک کمی کا ساتھ
نہیں ہے میرے سنگ بابا کا ساتھ
مگر خواب ان کے ہیں میرے ہاتھ
انسان چلے جاتے ہیں مگر
خواب یہاں رہ جاتے ہیں
بچوں کی صورت ہمیشہ
وہ خواب سلامت رہتے ہیں
وہ ساتھ نہیں تو کیا ہوا
تعبیر تو ہے میرے ہاتھ
نہیں ہے میرے سنگ بابا کا ساتھ
مگر خواب ان کے ہیں میرے ہاتھ
جہدِ مسلسل رنگ لائے گی
تعلیم مجھے دلشاد کرے گی
ماں بھی اک دن ناز کرے گی
محنت سے جگ جیتوں گا
باندھ لی پلو سے یہ بات
نہیں ہے میرے سنگ بابا کا ساتھ
مگر خواب ان کے ہیں میرے ہاتھ

(ثمینہ کنول، ڈسکہ)

ہوں اک یتیم بچہ

میرا لفظ لفظ سچا
میرا روم روم چیخے
طعنوں نے مجھ کو سینچا
ہوں اک یتیم بچہ
بابا مزدور غربت بڑی تھی
میری ولادت کی خوشی تھی
تیز دھوپ محنت کڑی تھی
اک خبر نے دُنیا اجاڑی
بن تو گئی تھی چھت کسی کی
ہمارا سائباں مگر کھا گئی تھی
میں دُنیا میں جب تھا آیا
اپنے بابا کو میں نے نہ پایا
کڑوے لفظوں کا زہر پیالہ
سبھی نے بھر بھر کر مجھ کو پلایا
ہے اس کا منحوس سایہ
اپنے باپ کو اس نے کھایا
ہر کسی نے ہے ظلم ڈھایا
ہوں اک یتیم بچہ
میرا لفظ لفظ سچا
تازہ کھانوں کی لذتوں کو
اب تک نہ میں نے جانچا
خونِ جگر پیا ہر لمحہ
اور پل پل ہے زخم کھایا
رہا اسکول سے بیگانہ
سبق ٹھوکروں سے سیکھا

ہے اُستاد یہ زمانہ
سنے کون میرا افسانہ
ہوں اک یتیم بچہ
میرا لفظ لفظ سچا
آج خود سے ہوں کرتا یہ وعدہ
کان کسی باتوں پہ اب نہ دھروں گا
ننھے ہاتھوں سے محنت کروں گا
ساتھ تعلیم حاصل کروں گا
میں یتیموں کا ساتھی بنوں گا
مگر ہوں اک یتیم بچہ
میرا لفظ لفظ سچا

(رفعت خان)

اے جری بیٹے! تم کو سلام

والد کا سایہ اُٹھا
حوصلہ پھر بھی تم نے رکھا
امرِ ربی تھا یہ اک
جس پہ تم نے صبر کیا
جس نے مانی ربّ کی بات
دو جگ میں وہ شاد رہا
حق کا رستہ اپنا کر
سچ کا گویا دم ہے بھرا
اچھے بُرے حالات میں ہاں
فرض کو تم نے کیا ہے ادا
جہدِ مسلسل جاری رکھی
محنت سے ہر کام کیا
ربّ کی رضا سب سے پہلے
پائی تو سب کچھ پایا
اچھے، عمدہ کاموں کی
دو جگ میں پاؤ گے جزا
ربّ پہ بھروسا کر کے ہی
ہر اِک کا ہے کام بنا
مشکلیں کیوں نہ حل ہوں گی
آگے بڑھتے جاؤ سدا
علم کی راہوں پر جو چلے
عظمت کا پرچار کیا
زیست میں آگے ہی بڑھ کر
رُتبہ پاؤ گے تم بھی بڑا
جو بھی میداں چاہو گے
ربّ تمہیں کر دے گا عطا
ہمت کو رکھنا ہے بلند
حوصلہ پست نہ ہو بیٹا!
نقوؔی ہمارا ہے پیغام
اے جری بیٹے! تم کو سلام

(سیّد ذوالفقار حسین نقوؔی، کراچی)

چلو اُٹھو! اسے دلاسہ دو

آؤ یہ کام اچھا کرتے ہیں
یتیم بچوں کی جھولی بھرتے ہیں
جن کے سر پہ نہ باپ کا سایہ
بغیر ممتا کے منہ ہے مرجھایا
ٹھوکریں در در کی وہ جو کھاتے ہیں
بغیر روٹی کے بلبلاتے ہیں
اپنا مسکن نہ اپنا گھر جن کا
ایک کوچہ نہ ایک در جن کا
کیا خبر کب سے پیاسا ہے
جس کی قسمت میں نہیں دلاسہ ہے
کون بات کرنے والا ہے
جس کے منہ میں نہیں نوالا ہے
سرِ بازار مارا پھرتا ہے
دیکھو یتیم بے چارا پھرتا ہے
چلو اُٹھو اسے دلاسہ دو
بھر کے خوشیوں سے کوئی کاسہ دو
میرے اللہ سب پہ سایہ کر
نہ کسی کو دھن پرایا کر
پیار کی نایاب تحریک دے
اجمل کو مولا اتنی توفیق دے

(محمد اجمل شاہین انصاری، لاہور)

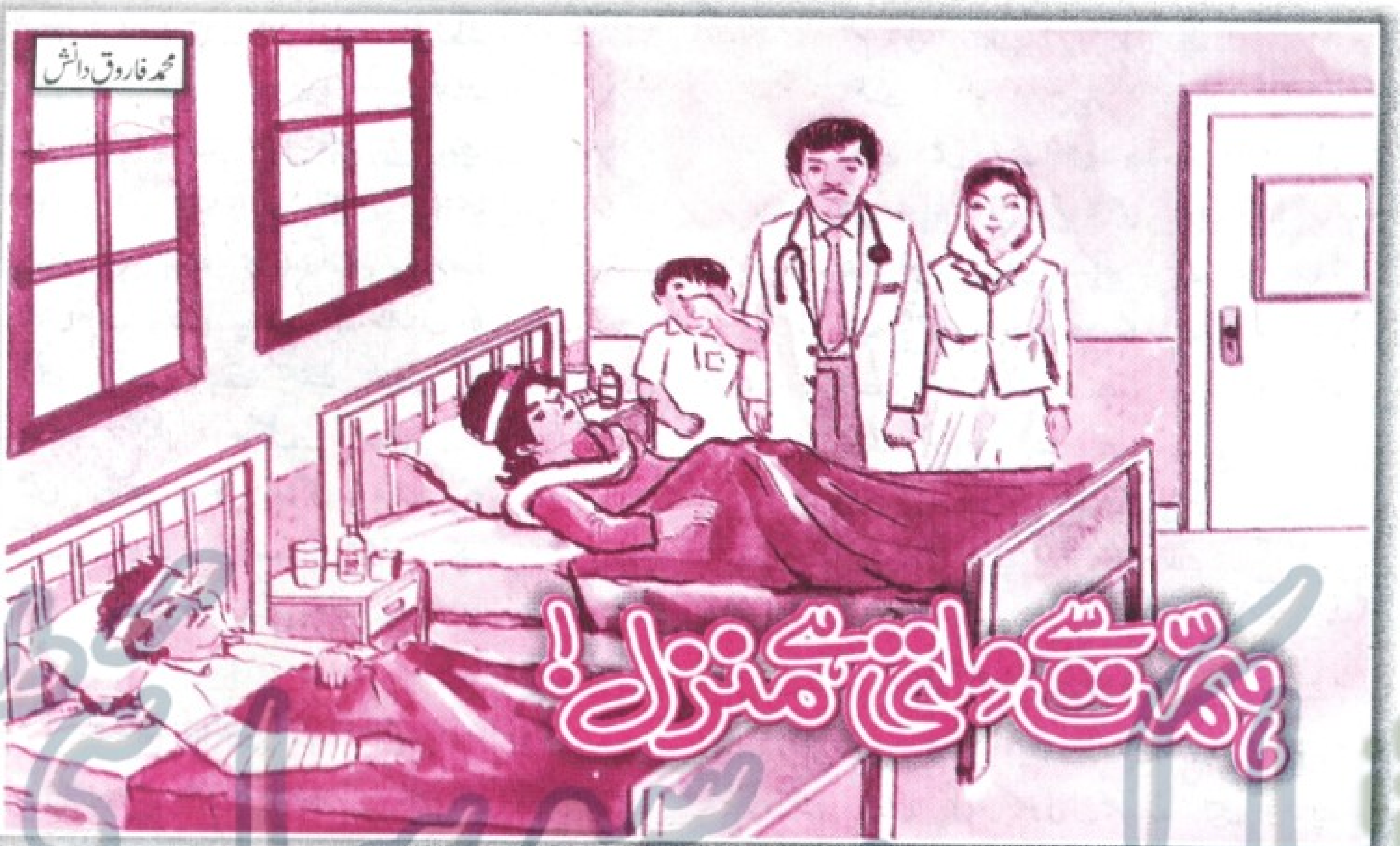

ہمت سے ملتی ہے منزل!

محمد فاروق دانش

کاشان اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس کی عمر اس وقت نو برس تھی۔ وہ کلاس سوم میں پڑھ رہا تھا۔ اس کے والد ایک پرائیویٹ فرم میں مینجر کی حیثیت میں کام کر رہے تھے۔ کمپنی کی جانب سے گاڑی اور بنگلہ بھی مالکانہ حقوق کی بنیاد پر دیا گیا تھا۔ اِن اشیاء کی قیمت اُن کی تنخواہ سے قسط وار کاٹ لی گئی تھی۔ یوں ان کی زندگی آسودگی کے ساتھ بسر ہو رہی تھی۔ گھر میں نوکر چاکر بھی کام کرتے تھے، جو دن بھر کاشان اور اس کے والدین کی خدمت میں مصروف رہتے اور کاشان اور اس کے والدین کو خوش رکھتے تھے۔ ہر سمت خوشیاں بکھری ہوئی تھیں اور غم ان سے کوسوں دُور تھے۔

اچھی صفات اور نیک عادات کے سبب اور دولت مند گھرانے کا چشم و چراغ ہونے کی وجہ سے کاشان اپنے عزیز و اقارب کی آنکھ کا تارا بنا ہوا تھا۔ اہل محلّہ بھی اسے بے حد چاہت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور ہمیشہ حسنِ سلوک سے پیش آتے تھے۔ کاشان کو ہونے والی کسی بھی تکلیف یا پریشانی پر اس کے والدین، اہلِ محلّہ اور عزیز بے چین ہو جایا کرتے اور اس کے جلد از جلد تدارک میں مصروف ہو جاتے تھے۔

اکلوتی اولاد ہونے کے سبب کاشان کے والدین اس کے سارے ناز نخرے اُٹھاتے اور اس کی ہر خواہش پوری کرتے تھے، جس کے سبب کاشان کے دوست اور اس کے کزن اس کی خوشیوں بھری زندگی پر رشک کیا کرتے تھے۔ ان خوشیوں بھرے حالات اور مسحور کن زندگی میں کاشان اور اس کے گھر والوں کے روز و شب نہایت اطمینان سے بسر ہو رہے تھے کہ اچانک کاشان کی زندگی میں ایک المناک موڑ آیا جس نے کاشان کی زندگی کو یکسر بدل کر رکھ دیا اور اس ننھی عمر میں اس کی خوشیوں بھری زندگی دکھوں اور مشکلات کا شکار ہو گئی۔

کاشان کے والد عزیز احمد ایک روز شام کے وقت اپنے ایک عزیز کی تیمار داری کی غرض سے ذاتی کار میں گھر سے نکلے۔ شہر کی مرکزی شاہراہ سے کچھ دیر قبل ایک چوراہے پر موڑ کاٹتے ہوئے سامنے سے آنے والے ایک موٹر سائیکل سوار کو بچانے کی کوشش کرتے ہوئے کار بے قابو ہو جانے کے سبب اپنی اہلیہ یعنی کاشان کی والدہ بلقیس بیگم کے ہمراہ شدید زخمی ہو گئے۔ موقع پر موجود افراد نے انہیں اسپتال پہنچایا۔ ڈاکٹروں کی تمام تر کوششوں کے باوجود وہ زخموں کی تاب نہ لا سکے اور اس سے قبل کہ کاشان ان کے قریب پہنچ پاتا یا ان سے کچھ بات کر پاتا وہ دونوں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

کاشان کے لیے یہ حادثہ ایک نادیدہ صورتِ حال بن گیا۔ وہ

سمجھ نہیں پارہا تھا کہ اس کے والدین کے ساتھ کیا ہوا ہے اور وہ اچانک اسے تنہا چھوڑ کر اس دُنیا سے کیوں چلے گئے؟ اس کے عزیزوں، محلّہ داروں اور ہم دردوں، دوستوں نے اس کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کیا۔ اس کی پھوپھی مسرت جہاں اور اس کے پھوپھا کمال احمد نے کاشان کے قریب ترین عزیز ہونے کے ناتے اسے ماں باپ کا پیار دینے کا وعدہ کیا تھا۔

ان حالات میں پھوپھو کی محبت اور دل جوئی نے اس کا حوصلہ بڑھا دیا۔ وہ اس کی اداس حالت دیکھتے ہوئے اپنے بھائی کے گھر میں رہنے لگ گئیں اور اس کی دیکھ بھال کرنے لگیں۔ اُسے بھی کسی کا سہارا چاہیے تھا۔ ورنہ کون اس کو پکا کر کھلاتا، کون اسکول بھجواتا اور اس کے دیگر معاملات سلجھاتا۔ پھوپھا کا رویہ بھی بڑا مشفقانہ رہا۔ وہ ماں باپ کے چلے جانے کے باعث غمگین تھا لیکن ان سے ملنے والی شفقت نے اس کے دل کو وقتی سکون فراہم کر دیا۔

کسے معلوم تھا کی چالیس دن گزرنے اور مہمانوں کے چلے جانے کے بعد پھوپھو کا رویہ تبدیل ہونے لگے گا۔ کل مہمان کی حیثیت سے رہنے والے پھوپھا آج مالکوں کی سی زندگی گزار رہے تھے۔ انہوں نے آہستہ آہستہ ہاتھ پیر نکالنا شروع کیے۔ پہلے چھوٹے موٹے کام کاشان سے کہنے لگے۔ پانی لاؤ، تولیا دو، دودھ فریج سے نکال دو۔ یہ ایسی باتیں تھیں کہ جن پر انکار کاشان کے لیے ممکن نہ تھا لیکن اس کے بعد اگلے چھے مہینوں میں ان دونوں افراد نے اسے مکمل طور پر اپنے شکنجے میں لے لیا۔ ان کے تینوں بچوں نے گھر کو ایسا بنا لیا جیسے ان کا اپنا ہو۔ دھیرے دھیرے اپنے گھر سے کاشان کی گرفت ڈھیلی ہوتی چلی گئی۔ دیگر رشتے دار تو دُور پرے کے تھے۔ لے دے کے یہی پھوپھو تھیں جس کا اس کو آسرا تھا لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ خالی خولی ہمدردی دکھانے والے ان مہربانوں کے دل میں کتنا دغا تھا۔

ایک روز وہی ہوا۔ انہوں نے اسے اپنے ہی مکان سے نکال باہر کیا۔ یہ یتیم اور لاوارث کس سے فریاد کرتا، کسے اپنا دُکھ سناتا؟ ایک تو چھوٹا اور پھر اپنے حق سے بے خبر، اپنے والدین کی لاکھوں کی جائیداد کے باوجود وہ سڑک پر آ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کہاں جائے؟ اسے چلتے پھرتے بُردہ فروشوں نے بھی ورغلا کر ساتھ لے جانے کی کوشش کی اور جرائم پیشہ افراد بھی اس کے پیچھے رہے لیکن اللہ نے اس کی مدد کرنا تھی اس لیے وہ ایک نیک دل ادارے کے فرد کے ذریعے ان کے اسکول میں پہنچ گیا جہاں غریب اور بے یار و مدد گار افراد کی تعلیم و رہائش کا بندوبست تھا۔ وہ اپنا غم تو ان کو نہ بتا سکا لیکن یہ ضرور کہا تھا کہ وہ اپنوں ہی کے ظلم و ستم کا نشانہ بنا ہے۔

اس کو پڑھنے کے لیے اچھا ماحول مل گیا، رہنے کے لیے مناسب جگہ اور کھانے کے لیے پیٹ بھر کر روٹی ملنے لگی۔ جب حالات بہتر ہونے لگیں تو انسان پُرانے غم بھولنے لگتا ہے۔ یہی اس کے ساتھ ہوا۔ وہ بہ تدریج میٹرک تک پہنچ گیا اور اچھے نمبروں سے کام یاب ہو گیا۔ ایک بار اسکول وین میں وہ کسی پروگرام میں شرکت کے لیے شہر کے کسی ہال میں گئے تو اس کی نظر اپنے گھر پر پڑ گئی۔ اسے اپنے دکھ یاد آ گئے۔ اس کے دل میں یہ لگن ضرور تھی کہ وہ پڑھ لکھ کر ایک روز ضرور اپنا یہ مکان واپس لے گا۔ اب وہ عقل و شعور کی منازل طے کر رہا تھا۔ اس کے جی میں آیا کہ وہ

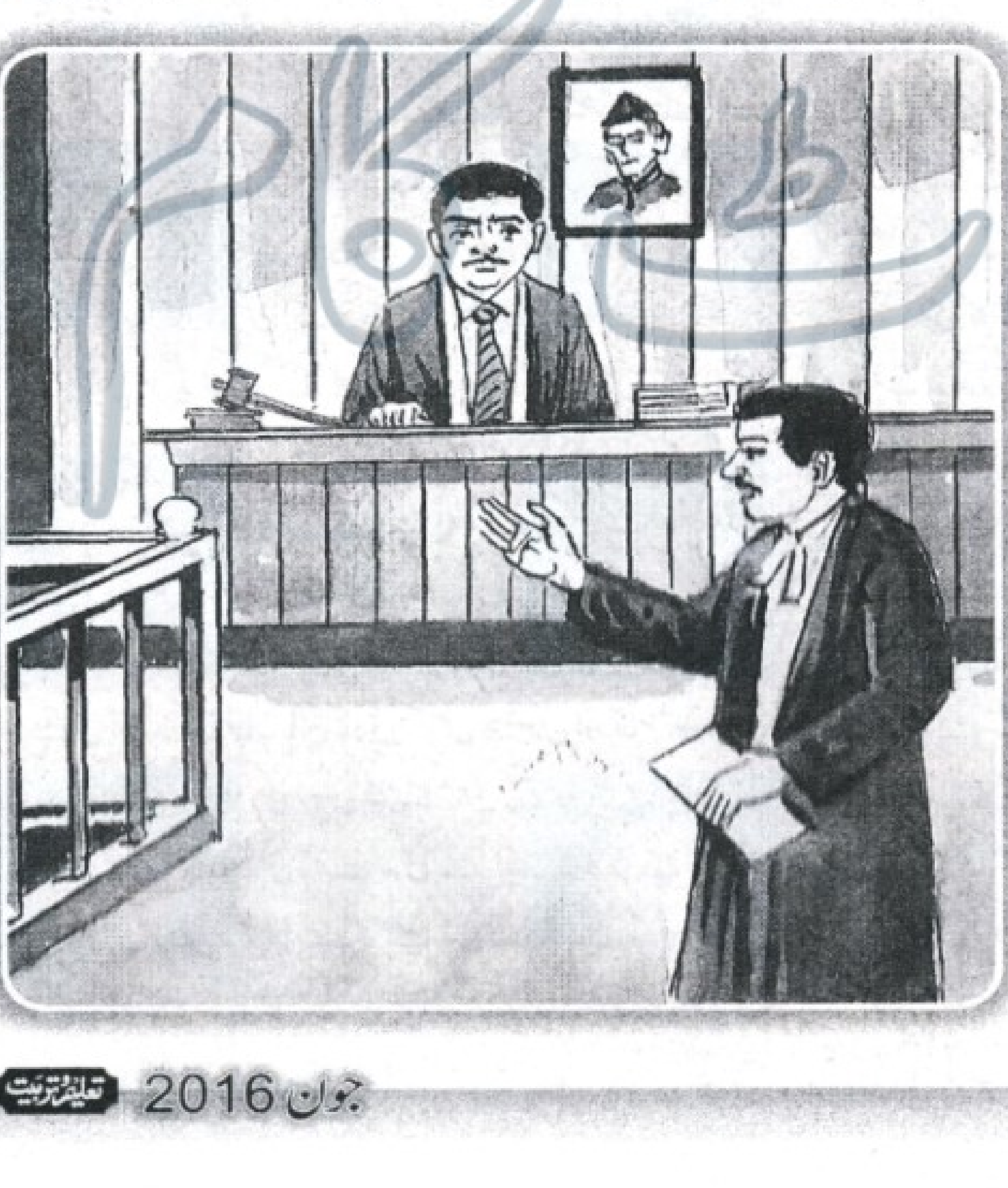

اپنے پھوپھا کے پاس جائے اور اپنا معاملہ بیان کرے لیکن اسے علم تھا کہ وہ ابھی کچھ نہیں کر پائے گا۔ ابھی اس کی جسامت اس قابل تھی نہ عمر کہ وہ ان کے آگے ٹھہر پاتا۔ اس نے کالج کی تعلیم کے دوران اندازہ کیا کہ اپنے حق کے حصول کے لیے قانون دان بننا فائدہ مند ہوسکتا ہے۔ اس کی لگن چوں کہ یہی تھی اس لیے اس نے یہ ارادہ کر لیا کہ وہ پڑھ لکھ کر ایک قانون دان بنے گا اور اپنے والدین کے مال کو ہڑپ کرنے اور ایک یتیم کو بے گھر کرنے والوں کو وہ ضرور بے دخل کرائے گا۔

اسے صرف اچھے وقت کا انتظار تھا اور وہ وقت دُور نہیں تھا کیوں کہ وہ اب انٹر اچھے نمبروں سے پاس کر کے ایک لاء کالج میں داخلہ حاصل کر چکا تھا۔ اس کے دوست احباب تو ڈاکٹر، انجینئر بننے کی خواہش میں سرگرداں تھے۔ وہ حیرت زدہ تھے کہ ہوشیار کاشان نے اپنے لیے وکالت کو کیوں چنا ہے مگر وہ اپنے معاملات کو بہتر جانتا تھا۔ وہ محنت اور دل جمعی سے ایل ایل بی کی پڑھائی کرتا گیا۔ ایک وقت ایسا آیا کہ اس نے سیکنڈ کلاس فرسٹ پوزیشن حاصل کر لی۔ اسے سلور میڈل سے بھی نوازا گیا۔

اب اسے ایک سینئر وکیل کے ساتھ رہ کر تجربہ حاصل کرنا تھا۔ اس سے قبل اس نے اپنے ادارے ہونہار فاؤنڈیشن میں بھی اپنی خدمات دیں تھیں کیوں کہ اس ادارے نے ان کو میٹرک تک مفت تعلیم اور رہائش فراہم کی تھی، اس لیے یہ ان کی بھی ذمے داری تھی کہ اس ادارے کے کام آئیں۔ کاشان نے سوچ رکھا تھا کہ اچھا وکیل بن کر وہ ’’ہونہار فاؤنڈیشن‘‘ کے معاملات اعزازی طور پر نمٹائے گا۔

دو سال مزید انتظار کے بعد کاشان ایک مکمل وکیل کے روپ میں کورٹ میں نمودار ہوا۔ وہ پہلا کیس تھا جو ہائی کورٹ میں لڑ رہا تھا۔ اس کیس میں ایک بھائی نے اپنے دوسرے بھائی کے ساتھ دھوکا کر کے اس کی کئی ایکڑ زرعی زمین ہتھیا لی تھی۔ کاشان اپنی دل چسپی میں یہ کیس مفت میں لڑنا چاہتا تھا لیکن مدعی اس کی جیت پر اسے نوازنے کی آرزو رکھتا تھا۔ پانچ ماہ کی مسلسل پیشیوں اور تمام ثبوتوں کی موجودگی اور بھرپور دلائل کی روشنی میں کاشان نے وہ کیس جیت لیا تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اسے مدعی نے ایک لاکھ روپے بہ خوشی دیئے تو وہ اس نے اپنے ادارے کو عطیے میں دے دیئے۔

ایک روز وہ اپنے گھر پہنچ گیا تو اس کے کزن اور پھوپھا اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ انہیں یہ اُمید نہ تھی کہ وہ زندہ بھی ہوگا اور اگر ہو گا بھی تو ایک پڑھے لکھے فرد کی حیثیت میں۔ اس نے پھوپھو سے اپنے حق کی بات کی تو وہ سٹ پٹا ضرور گئیں لیکن اس کے دو کزن آڑے آ گئے۔ پھوپھا گو ضعیف ہو چکے تھے لیکن مال جانے کا سن کر وہ بھی تن ومند ہو گئے اور انہوں نے اس کی بات کو اہمیت نہ دی تو پھر اس نے انہیں یہ باور کرا دیا کہ وہ اپنے حق کے لیے قانون کا راستا ضرور اپنائے گا۔ وہ ڈر تو گئے لیکن آسانی سے جانے کے لیے تیار نہ تھے۔

اس نے اپنا کیس قانونی عدالت کے سپرد کر دیا اور اسے لڑنے کی تیاری شروع کر دی۔ ساتھ ہی وہ پرائیویٹ کیسوں اور ہونہار فاؤنڈیشن کے معاملات کو دیکھنے لگا۔ اس نے شہر کے وسط میں اپنا ایک آفس بھی کھول لیا۔ وہ راتوں کو کیس کی تیاری کرتا اور دن میں بھرپور دلائل کے ساتھ کورٹ میں کیس کو ڈیل کرتا۔ اس کے دیگر ساتھی بھی اس کی محنت کے معترف تھے۔ اس نے اپنی فاؤنڈیشن سے پڑھ کر نکلنے والے طالب علموں کو بھی قانون کی مفت تعلیم دینے کا سلسلہ شروع کیا تاکہ وہ اس شعبے کی طرف بھی آ کر عوام الناس کی خدمت کر سکیں۔

کسے معلوم تھا کہ ایک یتیم بچہ جسے بے آسرا کر کے سڑک پر ڈال دیا گیا تھا، وہ عزمِ نو اور جہدِ مسلسل سے نہ صرف پڑھ لکھ جائے گا بلکہ خدمتِ خلق کے جذبے سے معمور ہو کر لوگوں کے بھی کام آئے گا۔ کہتے ہیں کہ سچ کو اور حق کو فتح ہوتی ہے، چاہے اس کو حاصل کرنے میں دیر ہو جائے مگر اُمید اور حوصلوں کو بلند رکھنا پڑتا ہے۔ یہی کاشان کے ساتھ ہوا، وہ صبر اور حوصلے سے اپنے مشن کی جانب بہ تدریج بڑھتا رہا اور اللہ تعالیٰ نے اسے کام یابی دی۔ ہائی کورٹ نے ایڈووکیٹ کاشان کے دلائل کو غور سے سنا۔ تمام ثبوتوں اور حقائق کی روشنی میں اس کی پھوپھو کو تین ماہ میں مکان کا قبضہ کاشان کے حوالے کرنے کی نوید سنا دی اور دھوکا دہی کے عوض انہیں جرمانے کی سزا بھی دی گئی۔ ان حالات میں ظلم کرنے والوں کے چہرے لٹکے ہوئے تھے جب کہ آج وہ فاتح کی حیثیت سے اپنے رب کا شکر گزار تھا جس نے اسے باپ کے سائے سے محروم تو کر دیا تھا لیکن اسے ہمت اور حوصلہ بھی بخش دیا اور معاشرے کا ایک فعال فرد بنا دیا۔

☆☆☆

میری زندگی کے مقاصد

مریم فاطمہ، کراچی

میں بڑی ہو کر سائنس دان بنوں گی اور اپنے ملک کا نام روشن کروں گی۔

حافظ محمد طلحہ سعدی، لاہور

میری زندگی کا مقصد تحفظ ختم نبوتؐ اور دفاع صحابہؓ ہے۔

حماس ضیاء، حافظ آباد

میں بڑا ہو کر مکینیکل انجینئر بنوں گا اور ملک کا نام روشن کروں گا۔

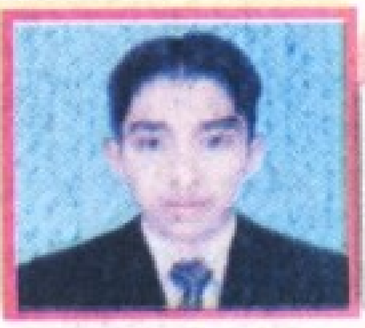

فارحہ شاہد، کراچی

میں سرجن بن کر لوگوں کی جان بچاؤں گی اور ملک سے غربت مٹاؤں گی۔

اسامہ بن خرم، گوجر خان

میں بڑا ہو کر فوجی بنوں گا اور ملک وقوم کی حفاظت کروں گا۔

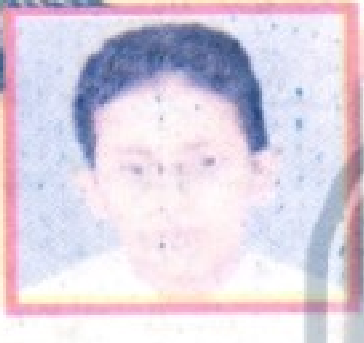

محمد عمر، اسلام آباد

میں پاک آرمی میں جا کر اپنے ملک کی حفاظت کروں گا۔

شبیر، گکھڑ

میں آرمی میں جا کر اپنے وطن کی حفاظت کروں گا۔

محمد شمعون بٹ، لاہور

میں بڑا ہو کر انجینئر بنوں گا اور اپنے ملک وقوم کی خدمت کروں گا۔

سنابل خیام، راول پنڈی

میں ٹیچر بن کر قوم کی خدمت کروں گی۔

محمد احمد اعوان، فیصل آباد

میں بڑا ہو کر عالم بنوں گا اور سب کو دین کی دعوت دوں گا۔

ارسلان شہزاد، کراچی

میں بڑا ہو کر حافظ قرآن بن کر ساری دنیا میں اسلام کی روشنی پھیلاؤں گا۔

عروبہ راشد، لاہور

میں ڈاکٹر بن کر غریبوں کا مفت علاج کروں گی۔

فاطمہ احمد، گوجرانوالہ

میں ڈاکٹر بن کر ملک وقوم کی خدمت کروں گی۔

محمد شعیب شوکت، کراچی

میں بڑا ہو کر رینجرز میں جاؤں گا اور ملک کی سرحدوں کی حفاظت کروں گا۔

شعیب نذیر، احمد پور لمہ

میں کرکٹر بن کر بھارت کو ہرانا چاہتا ہوں اور پاکستان کا نام روشن کرنا چاہتا ہوں۔

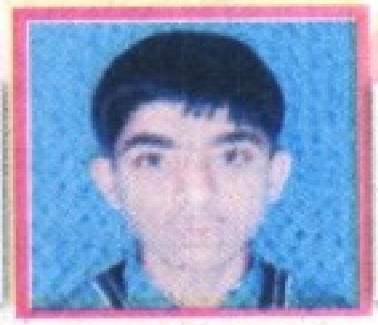

زینب خان، پشاور

میں دینِ اسلام کی خدمت کروں گی۔

عباد الرحمٰن، کراچی

میں بڑا ہو کر فوجی بن کر اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کروں گا۔

محمد احمد رضا، دنیا پور

میں بڑا ہو کر پاکستان کرکٹ ٹیم کا کھلاڑی بنوں گا۔

محمد ریان احمد، اسلام آباد

میں بڑا ہو کر فوجی بنوں گا اور ملک کی سرحدوں کی حفاظت کروں گا۔

مختصر مختصر

خلیفہ وقت حضرت عمرؓ کا خوف

حضرت عمر فاروقؓ کی بیوی (عاتکہ) کہتی ہیں کہ: ”عمرؓ بستر پر سونے کے لیے لیٹتے تو نیند ہی اُڑ جاتی تھی، بیٹھ کر رونا شروع کر دیتے تھے۔ میں پوچھتی تھی: ”اے امیر المؤمنین! کیا ہوا؟“ وہ کہتے تھے۔ ”مجھے محمد ﷺ کی اُمت کی خلافت ملی ہوئی ہے اور ان میں مسکین بھی ہیں، ضعیف بھی ہیں، یتیم بھی ہیں اور مظلوم بھی۔ مجھے ڈر لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے ان سب کے بارے میں سوال کریں گے۔ مجھ سے جو کوتاہی ہوئی تو میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو کیا جواب دوں گا؟“

سیدنا عمرؓ کہتے تھے۔ ”اللہ کی قسم، اگر دجلہ کے دُور دراز علاقے میں بھی کسی خچر کو راہ چلتے ٹھوکر لگ گئی تو مجھے ڈر لگتا ہے، کہیں اللہ تعالیٰ مجھ سے یہ سوال نہ کر دیں کہ اے عمر! تو نے وہ راستہ ٹھیک کیوں نہیں کرایا تھا؟“ (احور کامران، لاہور)

بابا نہیں کوئی ثانی تیرا

اک وہ بھی زمانہ تھا جب ساتھ تھے ہم دونوں
اُنگلی پکڑ کے تیری چلتے تھے ساتھ دونوں
اب تو کہاں گیا ہے ڈھونڈوں کہاں پہ تجھ کو
اے باپ اب تو آ جا ضرورت ہے تیری مجھ کو
اے باپ تیرے بعد میرا نہیں ہے کوئی
اے باپ اب تو آ جا کوئی چاہتا نہیں
دیتے تھے سب تسلی دیں گے ہم ساتھ تیرا
پر ملتا نہیں ہے بابا ان میں کوئی ثانی تیرا
اک تُو ہی تھا اے بابا دیتا تھا ساتھ میرا
اب تُو نہیں ہے کوئی جو چومے ماتھا میرا

(کاوش: فائزہ رزاق، خانیول)

اقوالِ زریں

☆ جو شخص معمولی معاملات میں سچائی کو سنجیدگی سے نہیں لیتا، اس پر بڑے معاملات میں بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ (البرٹ آئن اسٹائن)

☆ بُروں کی محبت نیکوں سے بدگمان کر دیتی ہے۔ (حسن بصریؒ)

☆ کم رزق تھوڑا نہ سمجھو ورنہ زیادہ رزق سے بھی محروم ہو جاؤ گے۔ (حضرت علیؓ)

☆ آپ سیکھنا چاہیں تو اپنی ہر غلطی سے سیکھ سکتے ہیں۔ (ارسطو)

☆ کام میری نظر میں ایسے ہی مقدس ہے جیسے عبادت۔ (علامہ اقبالؒ)

ننانوے فی صد ناکامیاں ان لوگوں کے حصے میں آتی ہیں، جنہیں عذر پیش کرنے کی عادت ہوتی ہے۔ (جارج واشنگٹن)

☆ بہت سے نقصانات انسان کو اس وجہ سے پہنچتے ہیں کہ وہ لوگوں سے مشورہ نہیں کرتا۔ (افلاطون) (مقدس چوہدری، راول پنڈی)

ہے ہمت کو دوام

وہ دن بھر ڈانٹیں سنتا تھا
اور چپ چاپ کاغذ چنتا تھا
کب امی مری کہاں ابا گئے
کبھی اس بارے بھی سنتا تھا
وہ فٹ پاتھ پہ سوتا تھا
اور خواب سہانے بُنتا تھا
صبح دَم مسجد میں جاتا تھا
اور علم کے موتی چنتا تھا
جب درسِ سیرتؐ ہوتا تھا
قصہٗ یتیمی سنتا تھا
وہ روتا تھا وہ ہنستا تھا
”مجھے نسبت ملی سرکار (ﷺ) سے“
بڑے فخر سے وہ یہ کہتا تھا
اسے رہبر ملا اسے منزل ملی
ایقان ملا ہمت بھی ملی
پھر ایک قدم وہ آگے بڑھا
کی ہمت مولانا سے پڑھنے لگا
اس نے دین چنا ایمان چنا
اس نے اللہ کا قرآن چنا
وہ دن بھر محنت کرتا تھا
راتوں کو اُجالا کرتا تھا
وہ حافظ بنا وہ عالم بنا
اک عالم اس کا مرید ہوا
جب اللہ کے وہ قریب ہوا

سو ہے سب کے دل میں احترام بہت
سچ ہے ہمت کو دوام بہت

(کاوش: مسز رضوان، فیصل آباد)

انمول موتی

☆ لوگوں سے پیار بھرا برتاؤ آدھی عقل ہے۔

☆ اخراجات میں میانہ روی آدھی معیشت ہے۔

☆ سوال کرنے کی خوبی آدھا علم ہے اور جو استخارہ کرے ناکام نہیں ہوتا۔

☆ جو مشاورت کرے شرمسار نہیں ہوتا۔

☆ جو میانہ روی اختیار کرے مفلس نہیں ہوتا۔

☆ بدمزاجی کام کو اس طرح خراب کرتی ہے جیسے سرکہ شہد کو۔

☆ اللہ کسی خود پسند اور فخر جتانے والے کو پسند نہیں کرتا۔

☆ حاجی کی دعا یہاں تک کہ وہ واپس نہ آئے، مریض کی دعا یہاں تک کہ وہ تندرست ہوجائے، بھائی کی دعا اپنے بھائی کے لیے اس کی غیر موجودگی میں۔ ان سب میں پہلی دعا قبول ہونے والی بھائی کی دعا اپنے بھائی کے لیے ہے۔

(مومنہ عامر حجازی، لاہور)

یتیموں کی نذر

ہم سوچ لیں بارے میں اگر یتیموں کی
ہو جائے اچھی زندگی بسر یتیموں کی
خود کھاتے ہیں، پیتے ہیں، عیش کرتے ہیں
نہیں کسی بھی شخص کو فکر یتیموں کی
وہ گھر تو بن گیا جنت اسی جہاں میں
جو گھر بنا ہے جائے حضر یتیموں کی
منحوس ہے وہ گھر دنیائے فانی میں
کبھی ہوتی نہیں جہاں قدر یتیموں کی
کرے خدا غرق ان ظالموں کو اک دن
جو آزما رہے ہیں صبر یتیموں کی
خدا کے کرم سے لکھ گیا میں بہت کچھ
صائمؔ ہماری نظم ہے نذر یتیموں کی

(کاوش: راؤ محمد طلحہ صائمؔ، ملتان)

اصل دوستی

☆ دوست وہی ہے جو مصیبت میں کام آئے۔

☆ مطلبی دوست ایک کوئلے کی طرح ہے۔

☆ دوست ایک ہیرا ہے جو ایک بار ٹوٹ جائے تو جڑ نہیں پاتا۔

☆ پُرانا دوست سب سے بہتر آئینہ ہے۔ (حیدر علی حجازی، لاہور)

خوش رہنے کے اصول

1- جو گزر گیا سو گزر گیا، وقت پھر ہاتھ نہیں آتا، جو گزر گیا اس کے بارے میں مت سوچو۔

2- مستقبل کو آنے دو، کل کی فکر میں نہ پڑو، آج ٹھیک ہوا تو کل بھی ٹھیک ہوگا۔

3- اپنے دل کو حسد سے پاک کرلو، اس سے بغض و عداوت نکال پھینکو۔

4- پیدل چلو، ورزش کرو، کسل مندی اور گم نامی، نکمے پن اور بے کاری کو دُور کرو۔

5- بُرائی کا بدلہ اچھائی سے دو۔

6- کتاب بہترین دوست ہے، اس کی ہم نشینی اختیار کرلو۔

7- تمہاری گھریلو لائبریری تمہارے لیے گھنا باغ ہے۔ شاعروں، علماء، دیگر لوگوں کے ساتھ تفریح کرو۔

8- اپنی جیب میں ڈائری رکھو، اس میں اپنے کام ترتیب دو، اپنے اوقات منظم کرو، اپنی یادیں اور ملاحظات لکھو۔

9- حسنِ عمل اختیار کرو اور زبان کی حفاظت کرو۔

10- مسکراہٹ خیر کی کنجی ہے، محبت اس کا دروازہ، سرور اس کا باغ، ایمان اس کا نور اور امن اس کی دیوار۔ (مہک خالد شیخ، لاہور)

دوستی

جب بھی کسی کو دوست بناؤ   راہ میں اس کے کلیاں بچھاؤ
پیار کے دیپک روشن کر کے   ہر سو چاہت کو بکھراؤ
دیکھو کسی کا دل مت توڑو   سچائی کو دوست بناؤ
سچے پیار کے چن کر موتی   سنگ آشاؤں کے مالا بناؤ
جگنو بن کر تارے بن کر   راہ میں سب کی کرنیں بچھاؤ
بُرے عمل سے بچتے رہو تم   نیکی شفق ہر دم پھیلاؤ

(نیر رانی شفق)

ضرب المثل کہانی

زبیدہ سلطانہ

خود میاں فضیحت دیگراں را نصیحت

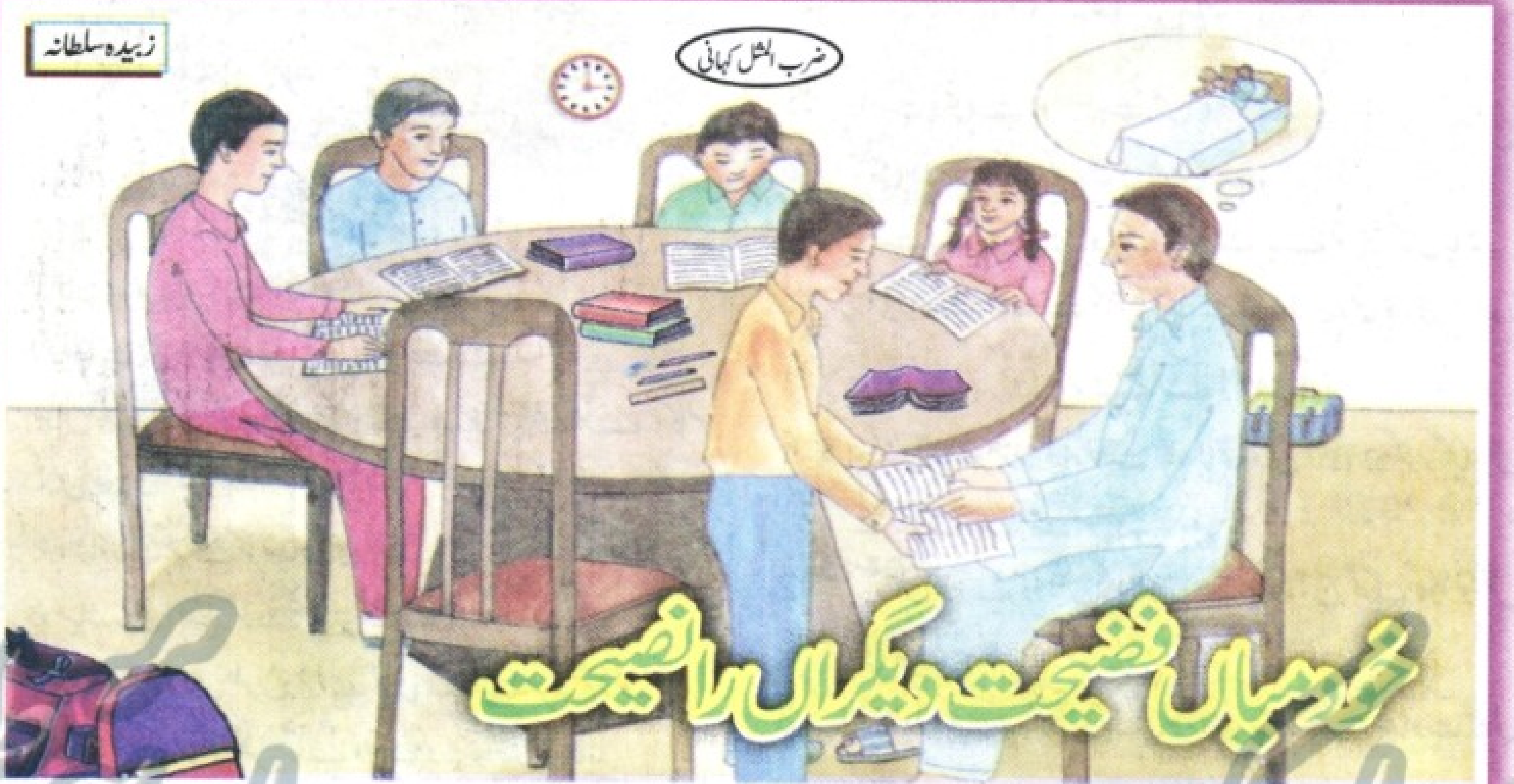

جمشید اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑا تھا اور دسویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ باقی سب بہن بھائی اسکول کی مختلف جماعتوں میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ جمشید سب پر پڑھائی کے سلسلے میں بہت سختی کیا کرتا۔ جو بہن یا بھائی ہوم ورک میں ذرا سستی کرتا، وہ اسے نہ صرف ڈانٹتا بلکہ بعض اوقات مار پیٹ سے بھی گریز نہ کرتا۔ بچے، ماں باپ سے اس قدر نہیں ڈرتے تھے جتنا جمشید سے ڈرتے تھے۔ اس کی امی کو بچوں کی پڑھائی کی وجہ سے تسلی بھی ہوتی مگر وہ جمشید کے قیمتی وقت کا احساس کرتے ہوئے کہتیں:

”بیٹا! تم ان کے ساتھ مغز ماری کرتے رہتے ہو، تم نے میٹرک کا امتحان دینا ہے، اپنی پڑھائی کا بھی خیال کیا کرو۔“ اس پر جمشید انہیں اطمینان دلاتا کہ وہ رات کو اپنے امتحانوں کی تیاری کرتا ہے۔

دن گزرتے گئے حتیٰ کہ سارا سال گزر گیا۔ سب بچوں کے امتحان ہو گئے۔ جمشید کی نگرانی کی بدولت سب بچے اچھے نمبروں سے پاس ہو گئے، مگر جب جمشید کا اپنا نتیجہ نکلا تو وہ حیران کن تھا۔ جمشید فیل ہونے سے تو بچ گیا مگر بمشکل تھرڈ ڈویژن لے سکا۔ معلوم ہوا کہ وہ رات کو پڑھائی کی بجائے جاسوسی ناول پڑھتا رہتا تھا۔ یہ راز چھوٹے بھائی نے ظاہر کیا اور جمشید کے بستر کے نیچے سے ناول نکال کر امی کو دکھائے۔ امی کو بے حد غم و غصہ تھا کیوں کہ جمشید کو تیسرے درجے میں پاس ہونے کی وجہ سے کسی اچھے کالج میں داخلہ نہیں مل سکا تھا اور وہ ایک معمولی پرائیویٹ کالج میں داخل ہو سکا، جس پر امی اور ابو اس سے بے حد ناراض تھے اور اسے طعنہ دیتے تھے کہ بہن بھائیوں پر کس منہ سے رعب جھاڑتا تھا جب کہ اپنا یہ حال ہے۔

ایک دن ابو کہنے لگے: ”یہ ہیں نا میاں جمشید جو بس دوسروں کو نصیحت کر سکتے ہیں مگر خود اس نصیحت پر عمل نہیں کرتے، یعنی خود میاں فضیحت دیگراں را نصیحت۔“

For Joining
Taleem O Tarbiat Club
Please Visit Our Website at URL
http://www.paperworldproducts.com/member.php

بچوں کا انسائیکلو پیڈیا

ڈاکٹر طارق ریاض خان

قرآنِ حکیم

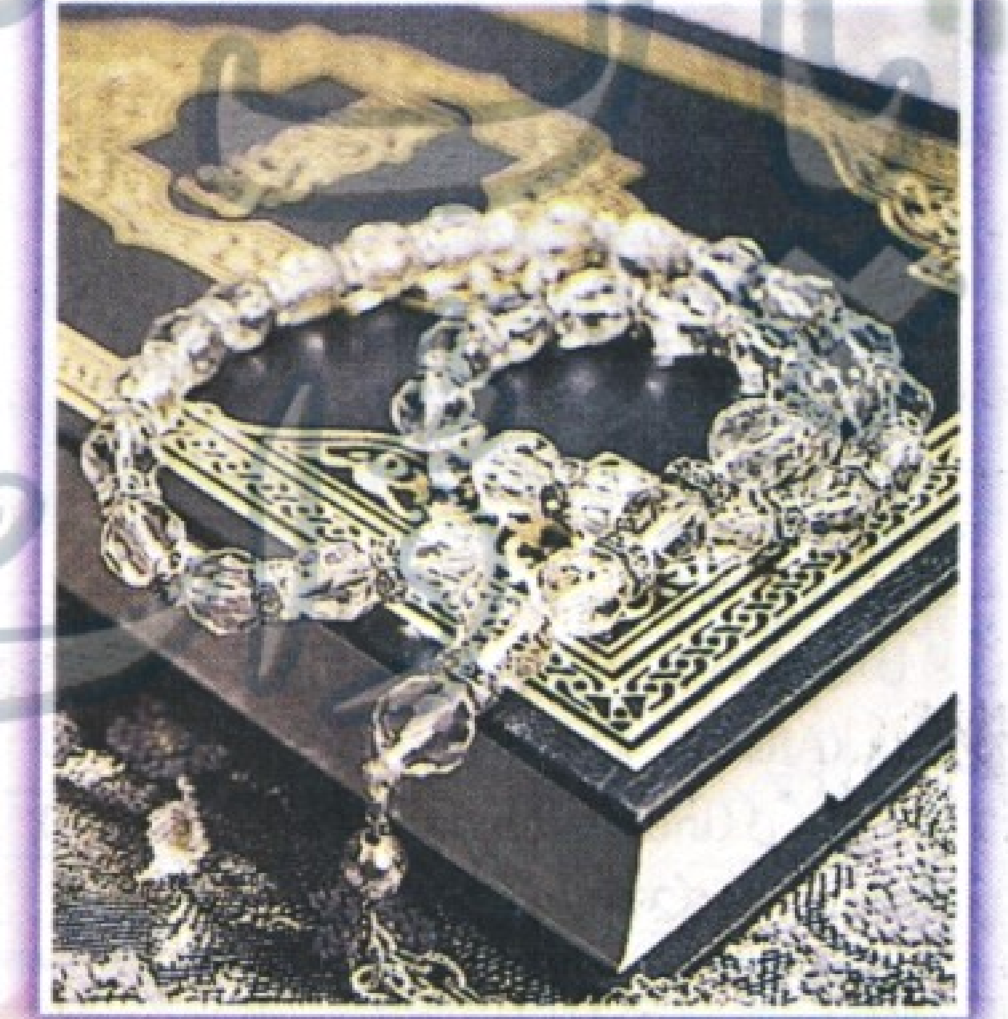

قرآنِ مجید یا قرآنِ حکیم اللہ پاک کی طرف سے آخری الہامی کتاب ہے جو رسالت مآب حضرت محمد ﷺ پر لگ بھگ 23 برس کے عرصہ میں بوساطت حضرت جبرئیلؑ نازل ہوئی۔ جس عمل کے ذریعے یہ نازل ہوئی اسے "وحی" کہتے ہیں۔ یہ دُنیا کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی دینی کتاب ہے جس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لے رکھا ہے۔ اس کتاب کی ترتیب نزولی نہیں بلکہ حضور انور ﷺ نے اس کی سورتوں کو ترتیب دیا۔ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں قرآن کو یکجا کرنے کا کام شروع ہوا۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے پہلی مرتبہ اس کا ترجمہ کیا۔ دُنیا کی ہر زبان میں اس مقدس کتاب کا ترجمہ ملتا ہے۔ قرآنِ پاک میں لفظ قرآن 70 مرتبہ آیا ہے۔ قرآن عربی لفظ "قرا" کا مصدر ہے، اس کا مطلب "پڑھا" ہے۔ اس میں 114 سورتیں ہیں۔ پہلی سورۃ الفاتحہ اور آخری سورۃ الناس ہے۔ سورۂ توبہ بسم اللہ کے بغیر ہے اور سورۂ نمل میں بسم اللہ دو مرتبہ آئی ہے۔ سب سے بڑی سورۃ البقرہ اور سب سے چھوٹی سورۃ الکوثر ہے۔ قرآن کا پہلا انگلش ترجمہ الیگزینڈر راوس نے 1649ء میں کیا۔ قرآن کی بنیادی زبان عربی ہے۔ قرآنی آیات کی تحریر پر اعراب لگانے کا کام حجاج بن یوسف کے عہد میں ہوا۔ قرآن میں حروفِ مقطعات بھی آئے ہیں جن کا ترجمہ دستیاب نہیں۔ قرآن میں 29 سورتیں حروفِ مقطعات سے شروع ہوتی ہیں۔ زندگی کے ہر موضوع پر رہنمائی قرآنِ حکیم میں موجود ہے۔

نیشنل ہاکی اسٹیڈیم

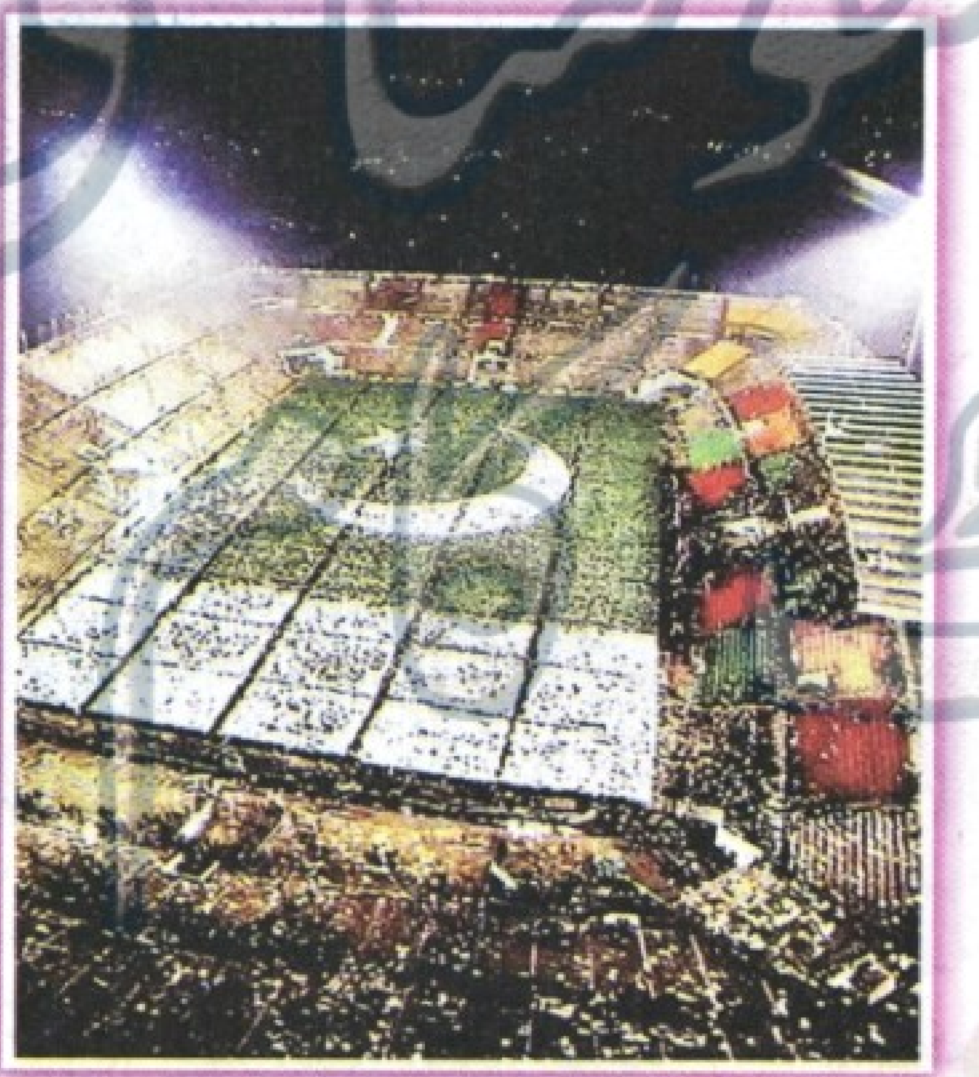

دُنیا کا سب سے بڑا ہاکی اسٹیڈیم "نیشنل ہاکی اسٹیڈیم" لاہور میں گلبرگ، قذافی کرکٹ اسٹیڈیم کے نزدیک واقع ہے۔ اس گراؤنڈ میں 45000 تماشائی بیک وقت میچ سے محظوظ ہو سکتے ہیں۔ 1990ء میں اس گراؤنڈ کو ورلڈ ہاکی کپ کے فائنل منعقد کرنے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ اسٹیڈیم میں آسٹروٹرف بچھی ہے جب کہ تمام تماشائیوں کے لیے رنگ برنگی نشستیں لگائی گئی ہیں۔ اسٹیڈیم میں داخلے کے لیے کئی مرکزی گیٹ ہیں جن کے نام انٹرنیشنل سطح کے قومی کھلاڑیوں کے نام پر ہیں۔ اسٹیڈیم کے اطراف میں فلڈ لائٹس کا بھی اہتمام ہے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :۔

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مُکمل رینج
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کُتب کی مُکمل رینج
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر مُتعارف کرائیں

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

تا کہ رات کو بھی برقی قمقموں میں میچ ہو سکیں۔ جن دنوں میچز نہ ہوں تو قومی و ملکی سطح کی تقریبات بھی یہاں منعقد ہوتی ہیں۔ اسی اسٹیڈیم پر 29040 طلبا نے قومی پرچم بنا کر دُنیا کا سب سے بڑا انسانی پرچم بنانے کا اعزاز بھی حاصل کیا تھا۔ 14 اگست یومِ آزادی کے حوالے سے میوزیکل شوز وغیرہ بھی یہاں منعقد ہوتے ہیں۔

چھپکلی کی دُم

چھپکلی(Wall Lizard) دُنیا بھر میں پائی جاتی ہے۔ اس کا سائنسی نام"Hemidactylus" ہے جب کہ خاندان "Gekkonidae" ہے۔ چھپکلی اپنے شکاری کو دھوکا دینے اور دشمن سے فرار ہونے کی خاطر اپنی دُم جھاڑ دیتی ہے جو خاصی دیر تک متحرک رہتی ہے اور دشمن کا دھیان بٹا دیتی ہے۔ چھپکلی کے اس رویے کو "Autotomy" کہتے ہیں۔ جن دنوں چھپکلی دُم کے بغیر رہتی ہے اسے دیوار پر چڑھنے، بھاگنے، چلنے اور دفاع میں مشکل پیش آتی ہے۔ کچھ اقسام میں انڈے بچے دینے کی صلاحیت بھی کم ہو جاتی ہے۔ چھپکلی کی صلاحیت ہے کہ وہ اپنی دُم دوبارہ پیدا کر لیتی ہے، یہ ری جنریشن(Regeneration) کہلاتی ہے۔ ری جنریشن کی زبردست صلاحیت کی وجہ 326 جینز(Genes) ہیں جو ہارمون کی پیداوار کو کنٹرول کرتے ہیں اور ٹوٹی ہوئی دُم یا کسی بھی زخم کے مندمل کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ چھپکلی کو دُم مرمت کرنے میں لگ بھگ 60 دن لگ جاتے ہیں۔ اس جانور میں مخصوص سیلز جنہیں "Satellite Cells" کہا جاتا ہے، دُم کی مرمت میں کردار ادا کرتے ہیں۔ چھپکلی کی کئی اقسام زہریلی نہیں ہوتیں۔

عالمی یومِ بحر

سمندر ہماری دُنیا کا دل ہے۔ دُنیا بھر میں 8 جون کو عالمی یومِ بحر "World Ocean Day" منایا جاتا ہے۔ اس دن کو منانے کا مقصد پانی کی اہمیت کو اُجاگر کرنا، جنگلی حیات کا تحفظ اور پانی کی آلودگی سے متعلق شعور بیدار کرنا ہے۔ سمندر کو یہ اہمیت بھی حاصل ہے کہ ہماری زمین کے لیے 75 فی صد آکسیجن مہیا کرتے ہیں۔ سمندروں میں دُنیا کا 97 فی صد پانی محفوظ ہے جب کہ ہماری کل دُنیا کا یہ لگ بھگ 70 فی صد ہیں۔ دُنیا بھر کے چھوٹے بڑے دریا سمندروں میں گرتے ہیں۔ دُنیا کے بڑے بڑے سمندروں میں بحرالکاہل(Pacific Ocean) کی گہرائی 3970 میٹر، بحیرۂ اوقیانوس(Atlantic Ocean) کی گہرائی 3640 میٹر، بحیرۂ ہند (Indian Ocean) کی گہرائی 3741 میٹر ہے جب کہ جنوبی سمندر کی گہرائی3270 میٹر ہے۔ سمندروں میں جنگلی حیات کی تعداد زمین کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہے۔ خشکی کا قطعہ کم ہونے اور ماحولیاتی تبدیلیوں کی وجہ سے یہاں جنگلی حیات زیادہ تیزی سے معدوم ہو رہی ہے۔ آبی آلودگی سے سمندروں کو بھی خطرات لاحق ہیں۔ اقوام متحدہ کے جھنڈے تلے ہر سال قدرت کے عظیم شاہ کار کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔ پاکستانی سمندر کو بحیرۂ عرب اور عرب ممالک کے سمندر کو بحیرۂ احمر کہا جاتا ہے۔ ہمارے سمندروں کا کل حجم(Volume) 1.332 ارب کیوبک کلو میٹر ہے۔ ☆☆☆

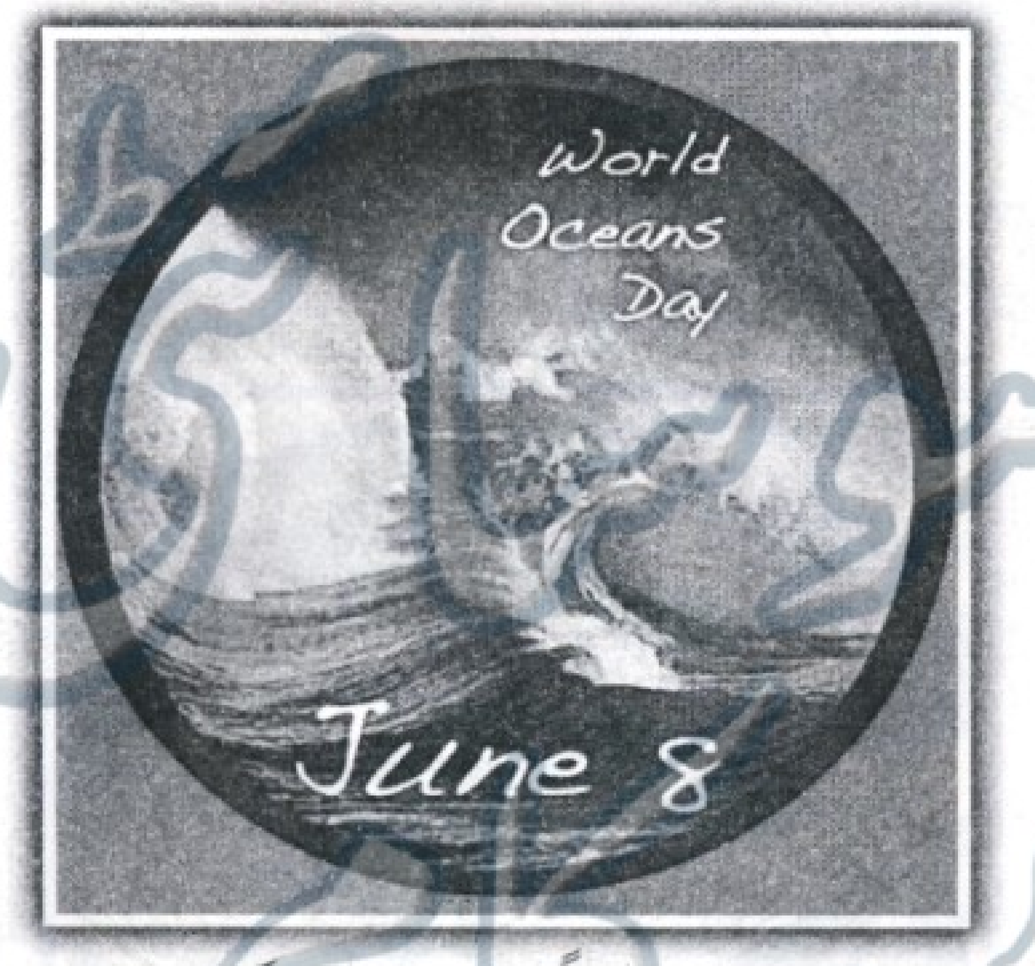

حضرت ابراھیم علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت بلند مرتبہ نبی گزرے ہیں۔ ان کے بعد جس قدر نبی یا رسول آئے، وہ آپؑ ہی کی نسل سے تھے۔ آپؑ جس وقت دُنیا میں تشریف لائے، اس وقت نہ صرف بت پرستی کا زور تھا بلکہ اس زمانے کا بادشاہ نمرود بھی اپنے آپ کو خدا کہلاتا اور لوگوں سے اپنی پوجا کراتا تھا۔ آپؑ کے والد آزر صرف بت پرست ہی نہ تھے، بلکہ بت گر بھی تھے۔ وہ بت بناتے، لوگ ان سے ان خداؤں کو خرید کر لے جاتے اور پھر ان کی عبادت کرتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ابھی بچے ہی تھے کہ وہ اپنے باپ کے کام کو دیکھ کر سخت حیران ہوتے۔ جب ذرا سیانے ہوئے تو ان کا یہ عقیدہ پختہ ہوگیا کہ یہ بت کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ ایک دن ان بت پرستوں کا شہر سے باہر کوئی میلہ تھا۔ تمام لوگ میلے میں گئے ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایسے میلے ٹھیلوں سے کوئی دل چسپی نہ تھی۔ جب سارا شہر خالی ہوگیا تو آپؑ نے بت خانہ کے تمام بتوں کو توڑ دیا اور بعد میں کلہاڑی بڑے بت کے کندھے پر رکھ دی۔ شام کو جب یہ لوگ واپس لوٹے تو برافروختہ ہوئے۔ سب نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر شک کیا۔ آخر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلا کر پوچھا گیا کہ یہ بت کس نے توڑے ہیں۔ آپؑ نے جواب دیا، مجھ سے پوچھنے کے بجائے اپنے خداؤں سے کیوں نہیں پوچھتے جن کی تم عبادت کرتے اور مرادیں مانگتے ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی گفتگو سے یہ لوگ بہت ناراض ہوئے اور ان کے باپ آزر سے کہہ دیا کہ اپنے بیٹے کو سنبھال کے رکھو ورنہ اس کا انجام اچھا نہ ہوگا۔ آپؑ نے اپنے باپ کو بھی بت پرستی سے روکا اور فرمایا کہ اے باپ! میں ڈرتا ہوں کہ تجھ پر خدا کا عذاب نازل نہ ہو۔ اس پر ان کا باپ سخت ناراض ہوا اور کہا کہ آئندہ تو نے مجھے ایسی بات کہی تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا اور کہا کہ تم میرے پاس سے ہمیشہ کے لیے چلے جاؤ۔ آپؑ نے باپ کو سلام کیا اور فرمایا کہ میں چلا جاتا ہوں اور تمہاری مغفرت کے لیے دعا کرتا رہوں گا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کامل یقین ہوگیا کہ مٹی اور پتھر کے بت خدا نہیں ہو سکتے تو آپؑ سوچنے لگے کہ آخر خدا کون ہے؟ آپؑ سوچنے لگے کہ جن چیزوں کو زوال آ جائے وہ تو خدا نہیں ہو سکتیں۔ آپؑ نے اپنی قوم سے فرمایا: ”اے قوم! میں ان تمہارے معبودوں سے سخت بیزار ہوں جن کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو اور فرمایا کہ میں اس خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور میں مشرک نہیں ہوں۔“ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم آپؑ سے سخت ناراض ہوگئی اور ان سے جھگڑا کرنے لگی۔ جب وہاں کے بادشاہ نمرود کو پتا چلا کہ آزر کا بیٹا ابراہیم لوگوں کو بتوں کی پوجا سے منع کرتا ہے تو اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دربار میں بلایا اور آپؑ سے جھگڑنے لگا۔ نمرود نے حکم دیا کہ ابراہیم کو زندہ جلا دیا جائے۔ چناں چہ ایک زبردست چتا تیار کی گئی۔ جب وہ آگ بھڑک رہی تھی اور اس کے شعلے آسمان کی خبر لا رہے تھے تو نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس جلتی ہوئی آگ میں پھینکوا دیا، مگر وہ آگ خدا کے حکم سے ٹھنڈی ہوگئی اور آپؑ کو ہرگز گزند نہ پہنچا سکی۔ جب حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے حکم سے اپنی بیوی ہاجرہ اور لختِ جگر حضرت اسماعیلؑ کو ایک ایسی وادی میں چھوڑ آئے جہاں دُور دُور تک آبادی کا نام ونشان تک نہ تھا۔ حضرت ہاجرہ نے ننھے اسماعیلؑ کو تو ایک پتھر کے سائے میں لٹایا اور خود پانی کی تلاش میں اِدھر اُدھر دوڑیں لیکن پانی نہ ملا۔ خدا کی قدرت سے حضرت اسماعیل علیہ السلام جہاں ایڑیاں رگڑ رہے تھے وہاں پانی کا چشمہ پیدا ہوگیا۔ یہی چشمہ آج کل زم زم کے نام سے مشہور ہے۔

ہر حل کے ساتھ کوپن چسپاں کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10 / جون 2016ء ہے۔

کھوج لگایئے

نام: ____________

شہر: ____________

مکمل پتا: ____________

____

موبائل نمبر: ____________

ہر حل کے ساتھ کوپن چسپاں کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10 / جون 2016ء ہے۔

دماغ لڑاؤ

نام: ____________

مقام: ____________

مکمل پتا: ____________

موبائل نمبر: ____________

جون کا موضوع ”آموں کا باغ“ ارسال کرنے کی آخری تاریخ 08 / جون 2016ء ہے۔

ہونہار مصور

نام ____________ عمر ____________

مکمل پتا: ____________

____

موبائل نمبر: ____________

میری زندگی کے مقاصد

کوپن پُر کرنا اور پاسپورٹ سائز رنگین تصویر بھیجنا ضروری ہے۔

نام ____________ شہر ____________

مقاصد ____________

____

موبائل نمبر: ____________

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN

ذائقہ
کارنر
مٹر پنیر

مٹر پنیر

اجزاء:

پنیر:	1 کلو	ہری مرچ، باریک کٹی ہوئی:	6-8 عدد
مٹر، اُبلے ہوئے:	1 پیالی	ہلدی:	1/2 چائے کا چچ
شملہ مرچ، باریک کٹی ہوئی:	1 عدد، بڑی	لال مرچ پاؤڈر:	1/2 چائے کا چچ
پیاز، باریک کٹی ہوئی:	2 عدد، بڑی	دھنیا اور پودینہ، باریک کٹا ہوا:	1-1/2 کھانے کا چچ
ٹماٹر، باریک کٹے ہوئے:	2 عدد، بڑے	نمک:	حسب ذائقہ
زیرہ، بھنا اور پسا ہوا:	1/2 چائے کا چچ	تیل:	5 کھانے کے چچ
ادرک لہسن کا پیسٹ:	2 چائے کے چچ	تیل، تلنے کے لیے:	1 پیالی

ترکیب:

پنیر کے چھوٹے چوکور ٹکڑے کاٹ لیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کریں۔ پنیر کے ٹکڑوں کو تیز آنچ پر تلیں تاکہ ہر طرف سے سنہری ہو جائیں۔ تیل سے نکال کر رکھ لیں۔ الگ پتیلی میں 5 کھانے کے چچ تیل گرم کریں اور پیاز لال کریں۔ ادرک لہسن کا پیسٹ، زیرہ اور ہری مرچ شامل کریں اور کچھ سیکنڈ درمیانی آنچ پر پکائیں۔ ٹماٹر، نمک اور ہلدی شامل کر کے بھونیں۔ جب ٹماٹر گل جائیں تو اُبلے ہوئے مٹر اور شملہ مرچ شامل کریں اور چند منٹ تیز آنچ پر چچ چلاتے ہوئے پکائیں۔ پنیر، دھنیا اور پودینہ شامل کریں اور چند منٹ ہلکی آنچ پر دم پر رکھ دیں۔ پراٹھے کے ساتھ پیش کریں۔

مکھنی مونگ دال

اجزاء:

مونگ کی دال:	1/2 - 1 پیالی	ہلدی:	3/4 چائے کا چچ	دھنیا پاؤڈر:	1 چائے کا چچ
ادرک، کٹا ہوا:	1/2 انچ کا ٹکڑا	لال مرچ پاؤڈر:	3/4 چائے کا چچ	مکھن:	3 کھانے کے چچ
ثابت زیرہ، بھنا اور پسا ہوا:	3/4 چائے کا چچ	نمک:	حسب ذائقہ	انار دانہ، موٹا کٹا ہوا:	1-1/2 چائے کا چچ

ترکیب:

دال کو 30-40 منٹ ایک لیٹر پانی میں بھگو کر پانی گرا دیں۔ ایک برتن میں پانی اُبال کر دال، نمک، ہلدی اور ادرک شامل کر دیں۔ تیز آنچ پر پکائیں اور 6-8 منٹ تک اُبالیں۔ جب پانی آدھا رہ جائے تو پتیلی ڈھانک دیں اور دھیمی آنچ پر 4-5 منٹ تک پکائیں۔ ڈھکن ہٹا کر تیز آنچ پر مزید 3-4 منٹ پکائیں۔ جب دال گل جائے اور گاڑھی ہو جائے تو پیس لیں۔

دال ڈش میں نکال لیں۔ باقی مصالحے چھڑکیں اور اوپر سے گرا ہوا گرم مکھن ڈال دیں۔ پوری یا میتھی کوکی کے ساتھ پیش کریں۔

تمہاری ہمّت کو سلام

ثناء احمد

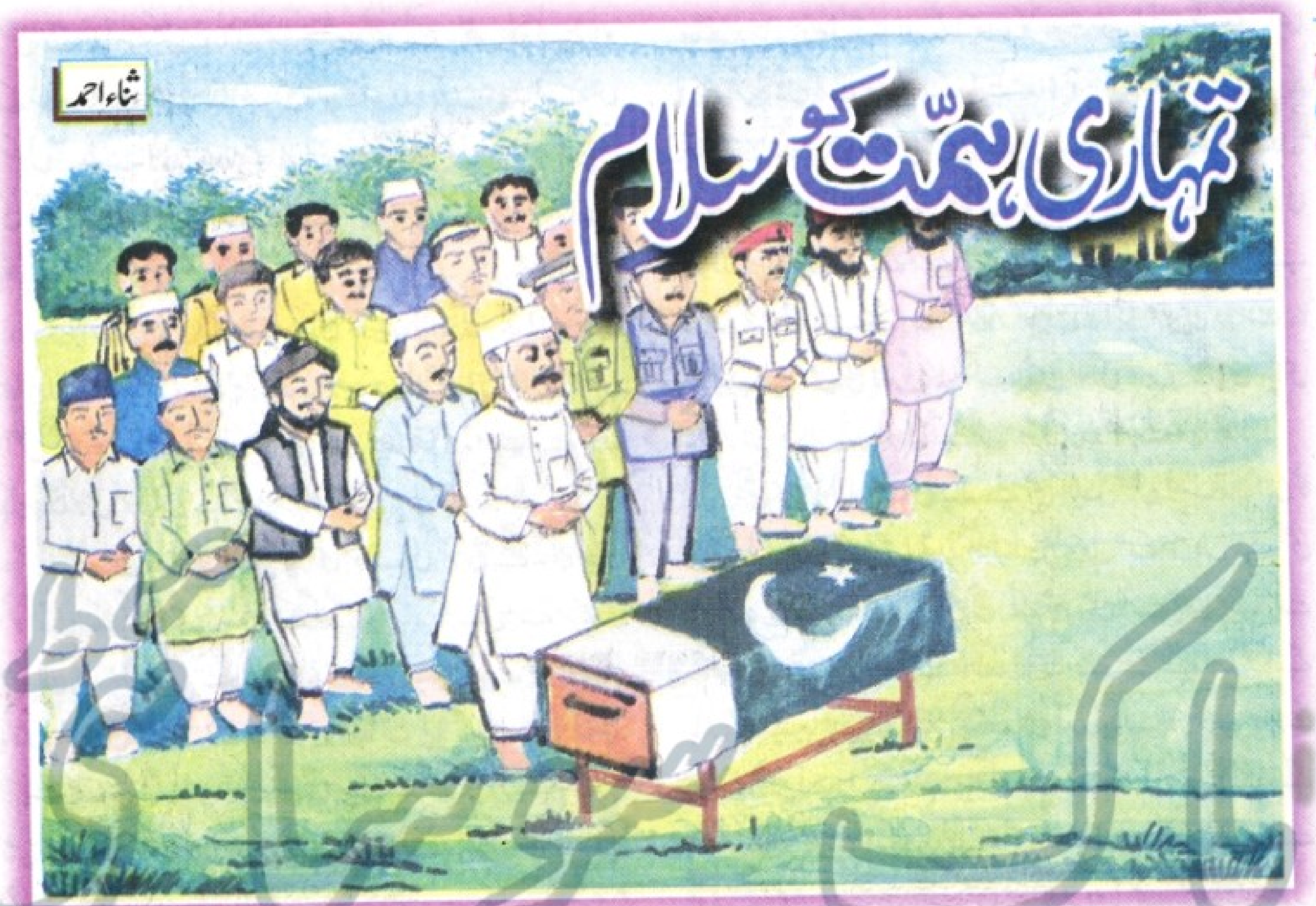

”میرے ابو کی تصویر ٹی وی پر آ رہی ہے۔ امی دیکھئے! ابو کی کتنی اچھی تصویر ہے۔ ٹی وی کی آواز کھولیں...... سنیں تو سہی خبروں میں کیا آ رہا ہے۔ یقیناً بہت سے ڈاکو پکڑے ہوں گے۔“ بشیر کی نظر ٹی وی اسکرین پر تھی اور وہ زور زور سے امی جان کو آواز دے رہا تھا۔

اس کے گھر میں پچھلے دو گھنٹے سے محلے کے سارے لوگ، اس کے تایا، چچا اور ماموں سب موجود تھے لیکن کیسی عجیب بات تھی کہ سب بالکل خاموش تھے۔ اتنے لوگوں میں بھی اتنی خاموشی۔ سات سالہ بشیر احمد اس خاموشی، سنجیدگی اور افسردگی کے مفہوم سے ناآشنا تھا۔ ٹی وی کی اسکرین پر چلنے والی خبر کیا تھی؟ وہ بے خبر تھا مگر اپنے ابو کا چہرہ وہ کیسے نہ پہچانتا۔ اس کے ابو صبح ہی تو اپنی پولیس کی وردی میں ملبوس اسے اس کے اسکول چھوڑ کر اپنی ڈیوٹی پر روانہ ہوئے تھے۔ انہوں نے اس کا ماتھا بھی چوما تھا اور پھر اس کی پانی کی بوتل اس کے گلے میں ڈالتے اسے اسکول کے گیٹ کے اندر روانہ کر کے آئے تھے۔

جب وہ دوپہر کو اسکول سے واپس آیا تو سارا گھر لوگوں سے بھرا تھا۔ اس کی امی بہت سی عورتوں کے درمیان گھری تھیں۔ اسے سب نے پیار کیا مگر اصل بات نہ بتائی۔ اب ٹی وی کی آواز اونچی کی جا چکی تھی۔ خبروں میں بتایا جا رہا تھا کہ اس کے ابو ڈی ایس پی نذیر احمد دہشت گردوں کے خفیہ ٹھکانے پر آپریشن کے لیے گئے تھے۔ انہوں نے وہاں موجود دہشت گردوں کو گرفتار کر لیا تھا مگر پھر اچانک کسی ایک نے خود کو دھماکے سے اُڑا دیا۔ پولیس کے سپاہی، اور ڈی ایس پی نذیر احمد سب اس دھماکے میں شہید ہو گئے مگر ان دہشت گردوں کا سرغنہ وہاں سے فرار ہونے میں کام یاب ہو گیا تھا۔

بشیر رپورٹ کے ساتھ ساتھ دھماکے کی جگہ کو بھی دیکھ رہا تھا۔ جلی ہوئی جیپ بھلا وہ کیسے نہ پہچانتا جو بالکل تباہ ہو گئی تھی۔ اسے شہید کا مطلب معلوم تھا۔ ہمیشہ زندہ رہنے والا سپاہی جسے مردہ نہیں کہتے۔ اس کے ابو اسے اکثر شہید کے درجات کے بارے میں بتایا کرتے تھے اور آج انہوں نے خود بہادری سے دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے یہ مقام حاصل کر لیا تھا۔

بشیر اب رونے لگا۔ اسے معلوم تھا کہ اب اس کے ابو کبھی واپس نہیں آئیں گے، جیسے اس کے دوست گل شیر کے بابا، کریم

بخش کے بابا سائیں جو اسی طرح شہید ہو گئے تھے۔ وہ اپنے ابو کے ساتھ ان دوستوں کے گھر بھی گیا تھا۔ وہ دونوں ہمیشہ اکیلے ہی اسکول آتے۔ نہ ان کے ماتھے پر بوسہ دینے والا کوئی ہوتا اور نہ پانی کی بوتل پکڑانے والا۔ کبھی کبھی ڈی ایس پی صاحب ہی انہیں پیار کرتے تو وہ دونوں شرما جاتے۔

بشیر کے دونوں چھوٹے بھائی حبیب اور کبیر تو اس سب سچائیوں سے بالکل بے خبر تھے۔ حبیب جو ابھی اسی سال اسکول داخل ہوا تھا، ماموں جان کی گود میں بیٹھا تھا اور سب سے چھوٹا کبیر، نانو کی گود میں بے خبر سو رہا تھا۔

اگلے دس روز بشیر کے لیے کسی خواب کی طرح تھے۔ ابو جان کو لکڑی کے بکس میں بند کر کے گھر لایا گیا۔ بڑے بڑے سرکاری افسران اور وزیروں نے ان کی نمازِ جنازہ میں شرکت کی اور پھر انہیں سرکاری اعزاز کے ساتھ سپردِ خاک کیا گیا۔ زندگی آہستہ آہستہ پھر اسی ڈگر میں آنے لگی۔ حبیب اور کبیر دونوں اپنی زندگی میں آنے والی اتنی بڑی تبدیلی سے بے خبر تھے۔ امی کو دلاسا دینے کو بہت سی خواتین آتی رہتیں۔ بشیر نے پھر سے اسکول جانا شروع کر دیا مگر بہت سی جگہیں اب خالی ہو چکی تھیں۔ ابو اس کے بہترین دوست، ساتھی جانے کیا کیا تھے۔

زندگی تلخیاں لیے رفتہ رفتہ بشیر کے سامنے آ رہی تھی۔ اس کے اسکول میں فیس کی ادائیگی امی کے بس کی بات نہ تھی۔ دونوں چھوٹے بھائیوں کے اخراجات میں بھی روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ امی کو گھر کے اندرونی مسائل کے ساتھ باہر بھی بہت سے محاذوں کا سامنا تھا اور بشیر ان کا بازو بنا ہر جگہ ان کا ساتھ دیتا۔ حوصلہ دیتا اور بھائیوں کو بہت سی باتیں خود ہی سمجھا دیتا۔ فرمائشیں کرنا، ضد کر کے بات منوانا تو سب قصۂ پارینہ ہو چکا تھا۔ اس کے قریبی رشتہ دار بھی اب ان کے گھر کم ہی آتے۔ لوگوں کی اسے سرکاری اسکول میں داخل کرانے کی تجویز اسے اپنے ابو کی یاد دلا دیتی جو اس کے لیے اچھے اسکول اور اعلیٰ تعلیم کے خواب دیکھا کرتے تھے۔ بشیر نے قلم اور کتابوں کو اپنا بہترین دوست بنا لیا تھا۔ اب اس کی زندگی کا نصب العین ابو کی طرح بہترین سپاہی بن کر ان کی طرح بہادری سے لڑنا اور دشمن کو شکست دینا تھا۔

بشیر کا اسکول بدلنا امی کے لیے بھی ایک مشکل فیصلہ تھا۔ اس کا نیا اسکول بچوں سے بھرا تھا۔ اکثر اُستاد بچوں کے ناموں سے بھی ناواقف ہوتے۔ کلاس میں بچوں کے شور میں اسے سبق ٹھیک سے سمجھ نہ آتا تو وہ نہ سمجھ آنے والے نکات سمجھنے کے لیے اساتذہ کے پاس بار بار جاتا۔ اس کا ہوم ورک اس قدر صاف اور خوب صورت ہوتا کہ تمام اُستاد اسے خوب پیار کرتے۔ شام میں وہ خود پڑھنے کے ساتھ ساتھ حبیب اور کبیر دونوں کو بھی خوب محنت سے پڑھاتا۔ اسے تو اپنے وطن کے دشمنوں سے لڑنا تھا تاکہ وہ آئندہ کسی کو اس طرح

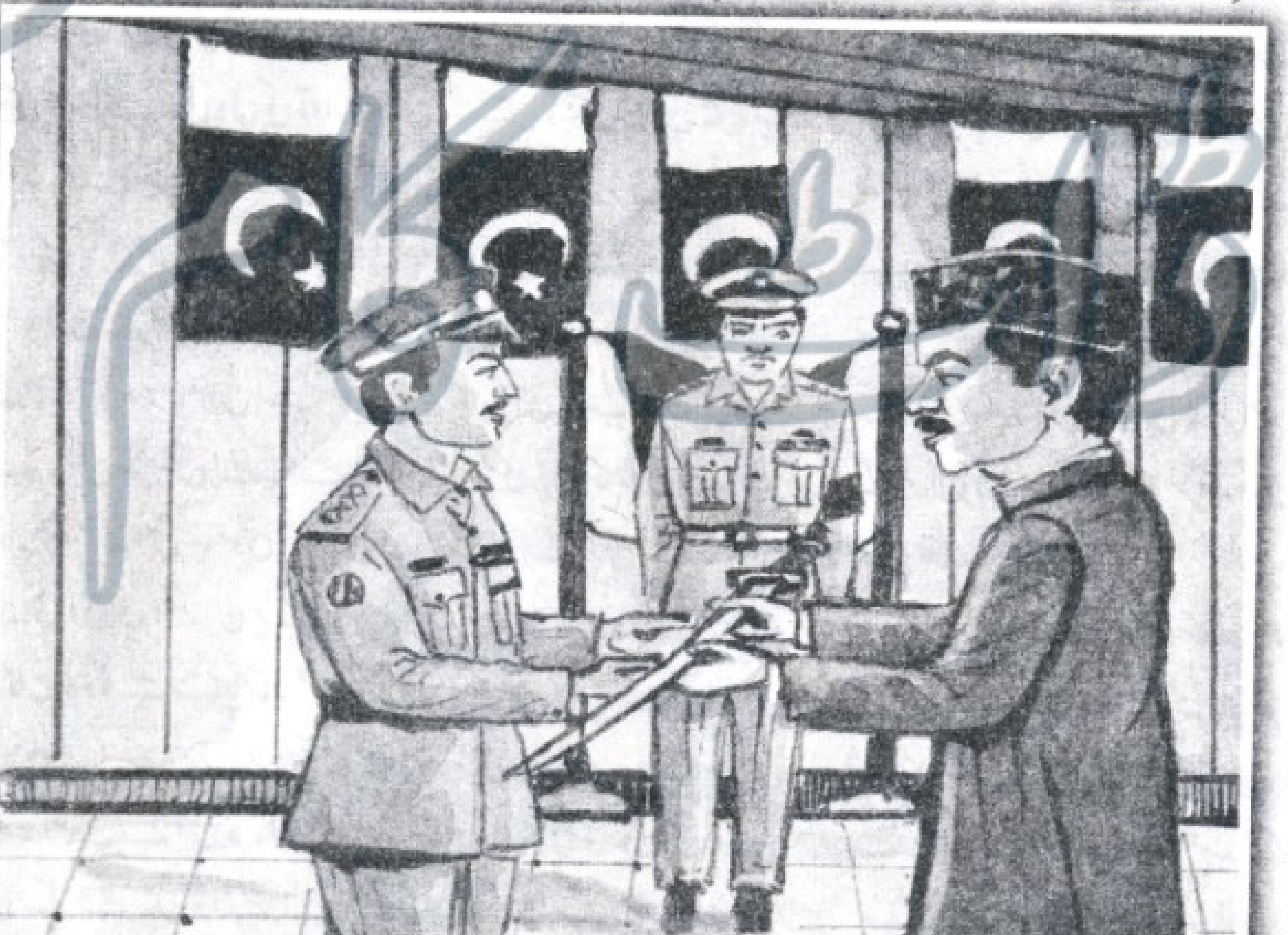

شہید کر کے نقصان نہ پہنچائیں۔ روز خوب ورزش اس کا معمول تھا۔

میٹرک میں شان دار کام یابی نے اس کے لیے اعلیٰ تعلیم کے راستے کھول دیئے اور پھر ایف ایس سی میں شان دار نمبروں نے اسے فوج میں کمیشن حاصل کرنے کا اہل بنا دیا۔ بشیر کے مضبوط جسم، پھرتی اور ذہانت نے اسے اکیڈمی میں بہترین کیڈٹ بنا دیا۔ بشیر کی اعزازی شمشیر نے دونوں چھوٹے بھائیوں کے لیے بھی راہیں آسان کر دی تھیں۔ اب تینوں بھائی پاک فوج کا حصہ بنے۔ اس دشمن کے خلاف لڑنے کو تیار تھے جس نے انہیں چھوٹی سی عمر میں یتیم کر دیا تھا۔ اس کے وطن کو غیر محفوظ اور کمزور بنانے کی کوشش کی تھی۔

”امی! اب آپ بالکل تنہا ہو گئی ہیں۔“ اس مرتبہ تینوں بھائی چھٹی پر گھر آئے تو امی کی تنہائی کا ذکر لے بیٹھے۔

”بیٹا! تم تینوں کو وطن کی حفاظت کرتا دیکھ کر مجھے کسی تنہائی کا احساس نہیں ہوتا۔ تمہارے ابو جان کا خواب پورا ہو گیا ہے۔“

”امی! کاش میں نے اپنے ابو کو دیکھا ہوتا!“ کبیر حسرت سے بولا۔

”بیٹا یتیمی تو ہم مجاہدین اور اس ملک کے رکھوالوں کا زیور ہے۔ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ تو پیدائشی یتیم تھے۔ بھلا ہم اس حکمِ ربی میں راضی کیسے نہ ہوں۔ تمہارے ابو بھی تین برس کی عمر میں ہی یتیم ہوئے تھے۔ پاکستان بننے کے وقت ان کے والد یعنی تمہارے دادا نے شہادت پائی تھی۔ پھر تمہارے ابو نے بھی اسی کے لیے قربانی دی۔ مجھے تم تینوں پر فخر ہے کہ تم تینوں بھی سپاہی اور مجاہد ہو۔ تم تینوں بالکل اپنے ابو جیسے ہی تو ہو...... بالکل وہی شکل وصورت، جسامت، آنکھیں...... کبیر تم خود میں اپنے ابو کو دیکھ لو۔“ امی جان بولیں۔

ضربِ عضب دہشت گردوں کے خلاف ایک بڑا آپریشن تھا۔ بشیر، حبیب اور کبیر تینوں نے وہاں فرائض سرانجام دینے تھے۔

ڈی ایس پی نذیر احمد کے تینوں بیٹے ایک اہم مشن پر ایک ساتھ روانہ ہوئے۔ دہشت گردوں کا ایک بڑا لیڈر ایک اہم میٹنگ کے لیے اس علاقے میں آیا ہوا تھا۔ کیپٹن بشیر احمد کی کمان میں ان کی ٹیم نے بڑی مہارت اور منصوبہ بندی سے ان پر حملہ کیا۔ کمانڈر رام لال حملے کی خبر سنتے ہی وہاں سے بھاگا مگر بالکل اچانک کیپٹن بشیر نے اس کا راستہ روک لیا۔ وہ سب چاروں طرف سے گھیرے جا چکے تھے۔ رام لال کے فرار ہونے کی کوئی صورت نہ تھی۔

کیپٹن بشیر، حبیب اور کبیر کے سامنے کمانڈر رام لال نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس کے ساتھیوں نے بھی اپنے لیڈر کی پیروی کی، لیکن ان تینوں کی شکلیں رام لال کو حیران کر رہی تھیں۔

”ڈی ایس پی نذیر احمد تم تو مر گئے تھے۔ اس دن تمہارے چھاپے میں میرے آدمیوں نے خودکش حملہ کر کے تمہیں مار دیا تھا۔ تم میرے سامنے کیسے؟“ رام لال حیران بلکہ پریشان ہو کر بولا۔

”نہیں رام لال...... تم نے ڈی ایس پی کو نہیں مارا تھا۔“ کیپٹن بشیر غرا کر بولا۔

”وہ میرے سامنے مرا تھا۔ اس کے تو چیتھڑے اُڑ گئے تھے۔ وہ زندہ نہیں بچ سکتا تھا۔“ رام لال کو اپنی یادداشت پر مکمل یقین تھا۔

”نذیر احمد ڈی ایس پی ہمیشہ کے لیے زندہ ہو گئے تھے۔ ہم تینوں ان کے بیٹے ہیں۔ تم نے ہم تینوں کو یتیم کیا تھا۔ تم سمجھے تھے کہ اس طرح تم ان کی نسل کو ختم کر دو گے تاکہ وہ تمہارے خلاف مزاحمت نہ کر سکیں۔ دیکھو! اس ایک ڈی ایس پی کے تین شیر دل بیٹے اس وطن کی حفاظت کے لیے یہاں موجود ہیں۔ تم ہمیں مارو گے تو ہم سے زیادہ بہادر سپاہی تمہارے سامنے موجود ہوں گے۔ اس یتیمی نے نہ ہمیں کمزور کیا اور نہ ہی مجبور۔ جب سایہ سر سے اُٹھ جاتا ہے تو بچوں کو ان کا رب اور مضبوطی عطا کر دیتا ہے۔ تم نے ہمیں بے آسرا کیا تھا مگر دیکھو ہم تو کس قدر طاقت ور ہو گئے ہیں اور تم کمزور۔“

کیپٹن بشیر نے رام لال کو اس کے ساتھیوں سمیت گرفتار کر لیا۔ رام لال علاقے میں موجود دہشت گردوں کا سرغنہ تھا جس کی گرفتاری سے اس کے بہت سے ٹھکانوں اور اسلحہ کا فوج کو علم ہو گیا۔ دشمن کو اس گرفتاری سے بہت زیادہ نقصان پہنچا تھا اور یہ پاک فوج کے لیے ایک بڑی کام یابی تھی۔

آج 14 اگست کا دن تھا۔ ایوانِ صدر کے وسیع ہال میں، کیپٹن بشیر، کیپٹن حبیب اور لیفٹیننٹ کبیر اپنی شان دار یونی فارم میں ملبوس اپنی والدہ کے ہمراہ موجود تھے۔ تینوں کو اپنی بہادری اور شجاعت کے کارناموں پر اعزازات سے نوازا جا رہا تھا۔

ان کی پیاری امی جان مہمانوں میں بہت نمایاں مقام پر بیٹھی تھیں۔

ان تینوں یتیم ابنِ یتیم بچوں نے اپنی محنت، بہادری، ہمت، حوصلے اور شجاعت سے نئی تاریخ رقم کر دی تھی اور یقیناً انہیں وطن کی فضائیں بھی سلام کہہ رہی تھیں۔

☆☆☆

ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

کھوج لگائیے!

ذہانت آزمائیں اور 500 روپے کی کتابوں کا انعام پائیں۔

پیارے بچو! ذیشان ایک کھاتے پیتے گھرانے کا بچہ تھا۔ اسے گھر سے بہت ساری آسائشیں حاصل تھیں۔ رنگ برنگے کھلونے، اچھے کپڑے اور جوتے، کھانے پینے کی اچھی چیزیں غرض دُنیا کی ہر نعمت میسر تھی۔ وہ اپنی چیزیں اسکول میں اپنے دوستوں کو بھی دکھایا کرتا تھا یا یوں کہہ لیں کہ شیخی بگھارتا رہتا۔ ویسے شیخی بگھارنا بہت ناپسندیدہ عادت ہے۔ خیر اس کی سال گرہ پر اس کے چچا جان نے اسے ایک امپورٹڈ فاؤنٹین پن (سیاہی والا قلم) دیا۔ یہ قلم بہت خوب صورت اور قیمتی نگینوں سے سجا ہوا تھا۔ ذیشان یہ تحفہ لے کر بہت خوش تھا۔ اس نے پن میں سیاہی بھری اور اس کو استعمال بھی کیا۔ حسب عادت اس نے یہ تحفہ اسکول میں سب دوستوں کو بھی دکھایا۔ اس کی جماعت میں بہت سے لڑکے تھے۔ سب لڑکوں نے دیکھا اور پسند بھی کیا۔ تفریح کی گھنٹی بجی تو سب بچے باہر گراؤنڈ میں کھیلنے کے لیے چلے گئے۔ ذیشان جب واپس آیا اور اپنے بیگ سے پانی کی بوتل نکالنے لگا تو دیکھا اس کا قیمتی پن غائب تھا۔ اس نے اپنے اُستاد صاحب کو بتایا۔ انہوں نے سب بچوں کو اکٹھا کیا اور تلاشی لینی شروع کی۔ بچوں سے پن کا کوئی سراغ نہ ملا۔ اتنی دیر میں چپڑاسی کمرے میں داخل ہوا۔ اُستاد صاحب کی نظر اس کی جیب پر پڑی تو وہ چونکے۔

بچو! بتائیے پن کس نے چوری کیا اور چور کا کیسے پتا چلا؟ ذرا غور کیجیے۔

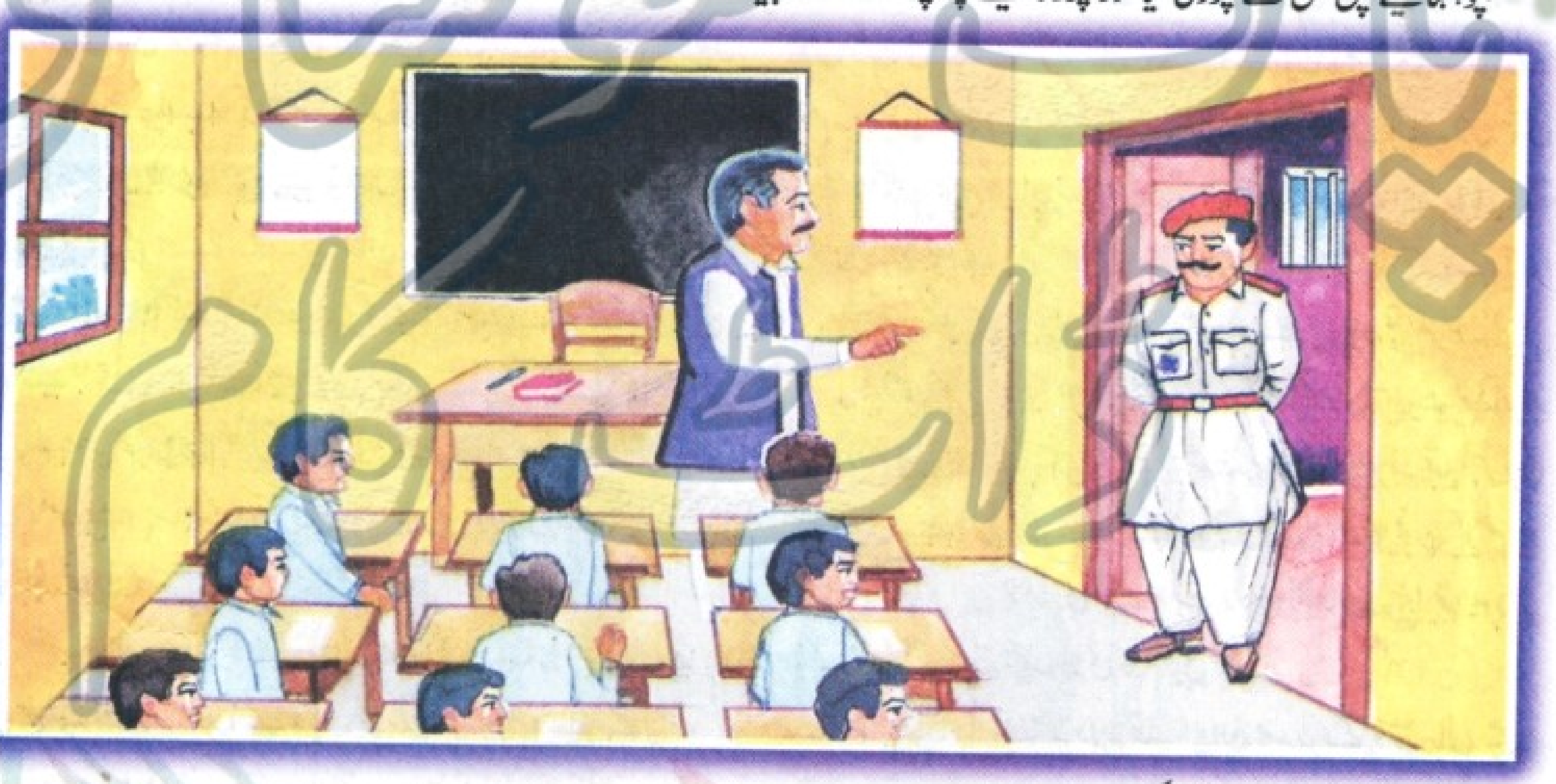

پیارے بچو! مئی 2016ء کے کھوج لگائیے کا جواب ہے:

درخت جدید آری سے کاٹے گئے تھے۔ اسلم کے پاس بھی جدید آری تھی، لہٰذا مجرم اسلم تھا۔

مئی 2016ء کے کھوج لگائیے میں قرعہ اندازی کے ذریعے درج ذیل بچے انعام کے حق دار قرار پائے ہیں:

1- زہرہ فاطمہ، لاہور
2- محمد حذیفہ اویس، فیصل آباد
3- احمد افضل، بورے والہ
4- رفیق احمد ناز، ڈیرہ غازی خان
5- محمد حسن ملک، پشاور

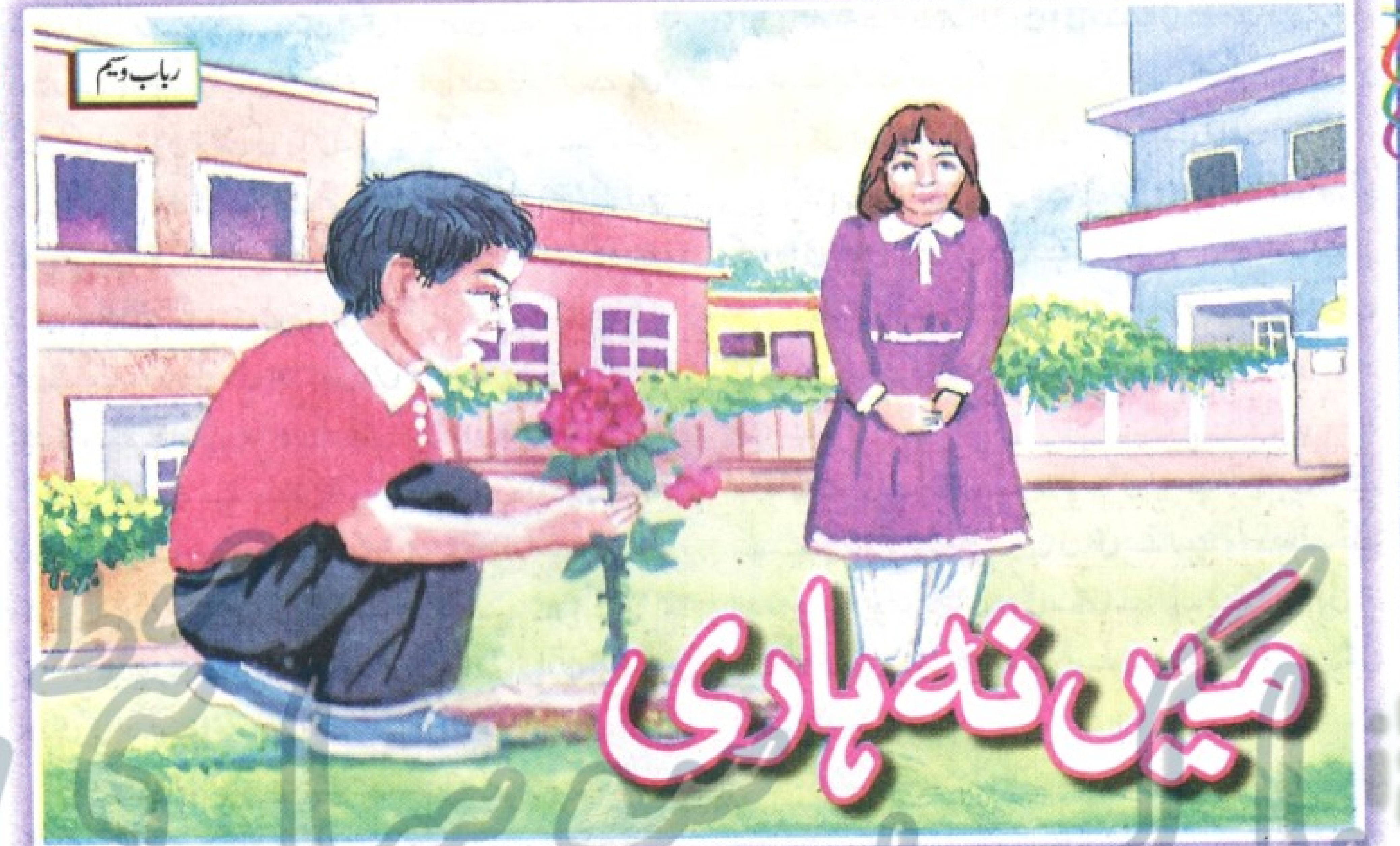

میں نہ ہاری

رباب وسیم

"امی!...... امی!...... کہاں ہیں آپ؟ امی!......" اس نے گھر میں داخل ہوتے ہی اپنی ماں کو پکارا اور جلدی جلدی اپنی ماں کو ڈھونڈنے لگی۔

"کیا ہوا؟ کیوں اتنا چلا رہی ہو؟" اس کی امی کمرے سے باہر نکلیں۔ "بات ہی کچھ ایسی ہے۔ جب آپ کو پتا چلے گا ناں تو آپ بھی اسی طرح چلائیں گی۔" وہ چہکتے ہوئے بولی۔

"اری! اب بتا بھی دے۔ کیا بات ہے؟" اس کی امی کمرے سے باہر نکلیں۔

"میری پیاری امی! آپ شاید بھول گئی ہیں کہ آج میرا ایف ایس سی کا رزلٹ تھا اور آپ کو پتا ہے میں پورے ضلع میں اوّل نمبر پر آئی ہوں۔" اس نے نہایت جوش سے اپنی امی کو اطلاع دی۔

"ارے واہ! یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ اب تو آپ کو انعام ملنا چاہیے۔ کیوں امی!" وہیل چیئر پر بیٹھی فاریہ نے اپنی ماں کی تائید چاہی۔

"نہیں، نہیں...... مجھے کوئی انعام شنام نہیں چاہیے۔ مجھے تو بس انجینئرنگ کالج میں داخلہ چاہیے۔" ربیعہ نے اپنی ماں کو یاد دہانی کروائی جب کہ ان کی پیشانی پر گہری سلوٹیں پڑی تھیں۔ "داخلہ تو مل جائے گا مگر فیس......" انہوں نے بات بیچ میں چھوڑی۔

"لیکن امی! آپ نے تو وعدہ کیا تھا ناں۔" ماں کی بات سن کر اسے دھچکا لگا۔

"بیٹی! تب بات کچھ اور تھی۔ تب تیرا باپ زندہ تھا اور تیرا کوئی بڑا بھائی بھی نہیں ہے۔ میں کہاں سے لاؤں اتنی فیسیں۔ کون دے گا اتنے پیسے۔" اس کی امی نے اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے کہا اور بغیر اسے دیکھے، چادر سر پر ڈالے وہ بچوں کو اسکول سے لانے کے لیے دروازے سے نکل گئیں۔ امی کی اس بات پر فاریہ نے اس کو دیکھا کہ ردِعمل کیا ہو گا مگر وہ تو ساکت بیٹھی تھی۔

……☆……

رات کی تاریکی آسمان پر چھائے بادلوں کی وجہ سے اور بڑھ گئی تھی۔ ایسے میں حبس نے اندر باہر اپنے ڈیرے جمائے ہوئے تھے۔ یہ اگست کا مہینہ تھا اور برکھا ٹوٹ کر برسنے کو بے تاب تھی اور وہ بھی اپنے غم کے آگے بند باندھنے میں ناکام ہو رہی تھی۔ بظاہر سب پُرسکون تھا مگر ایک لاوا پھٹنے کو بیٹھا تھا۔ وہ گھر دو کمروں، ایک برآمدے اور اس کے آگے ایک چھوٹے سے صحن پر مشتمل تھا۔ گھر کے ایک کمرے میں سات نفوس ایک دوسرے کے نزدیک لیٹے ہوئے تھے۔ حبس جب بڑھ گئی تو وہ اپنے سے لپٹی اپنی معذور

بہن کو الگ کر کے برآمدے میں آ گئی اور ستون سے سر ٹیک دیا۔ وہ تاریک اور سحرزدہ آسمان کو تکنے لگی۔ آسمان سے چند قطرے پانی کے ٹپکے اور پیاسی زمین کی پیاس بجھانے لگے مگر اس سے تو زمین کی پیاس اور بڑھ گئی تھی۔ اسی طرح آنسوؤں کا ریلا اس کے زرد گال پر بہنے لگا۔ پھر جیسے جیسے بارش کے قطرے جھومتے جھومتے زمین پر پڑنے لگے، اسی طرح اس کے آنسو بھی زمین میں جذب ہوتے گئے۔ وہ روتی رہی اور بارش اس کا ساتھ دیتی رہی۔ وہ ہلکے ہلکے ہلکورے لیتی، اپنی سانسوں کو بحال کرتی روتی رہی اور وہ حضورِ کل اس کے لیے نئے رستے کھولتا گیا۔ اس طرح وہ صرف ایک بار روئی تھی جب اس کا باپ اسے چھوڑ کر گیا تھا اور اب جب اس کا جنون، شوق اور مقصد اس سے الگ ہو رہا تھا۔

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ اس کی آوازِ ساز بارش میں مدغم ہو رہی تھی اور اپنے اندر سمو کر اسے رونے کا ذریعہ فراہم کر رہی تھی۔

’’کیوں اللہ جی! آپ نے میرے ساتھ ہی ایسا کیوں کیا؟ پہلے آپ نے میرے ابو کو ہم سے لے لیا اور اب ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں۔ ہم ترس ترس کر زندگی گزار رہے ہیں۔ نہیں اللہ جی! نہیں، آپ کو ہمارے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔‘‘ ہچکیوں سے اس کے جملے مکمل نہیں ہو رہے تھے۔

’’اللہ جی! آپ تو سب کچھ کر سکتے ہیں ناں، تو پھر اس بارش کے ساتھ آپ پیسے کیوں نہیں برسا دیتے تاکہ ہمارے کچھ رنج و غم تو کم ہوں۔ اللہ جی پلیز...... پلیز کوئی معجزہ ہی کر دیں۔‘‘ وہ روتی رہی جب تک اس کا دل ہلکا نہ ہوا۔ پھر وہ برآمدے میں نیچے بیٹھ گئی اور اپنی ٹانگیں آگے پھیلا دیں کہ بارش کی پھوار ان کو بھگونے لگی۔ جیسے جیسے دل کا غبار کم ہوتا جا رہا تھا، ویسے ویسے یادوں کے دریچے کھلتے جا رہے تھے۔

’’اگر تم کہو تو میں تمہارے ماموں سے بات کروں۔‘‘ اس کی امی نے روتی صورت دیکھ کر شام کے کھانے پر اسے کہا۔

’’کس بارے میں؟‘‘ اس نے اپنا سر اُٹھا کر کہا۔

’’پیسوں کے لیے اور کس لیے؟‘‘ اس کی امی کو نہایت غصہ آیا کہ وہ اتنی انجان کیوں بن رہی ہے۔

’’مگر امی! آپ کو تو پتا ہے ناں کہ وہ مدد کر کے کتنا احسان جتاتے ہیں کہ اتنی ذلالت ویسے نہیں ہوتی، جتنی ان کی مدد سے ہو جاتی ہے۔‘‘

’’مجھے پتا ہے مگر اس کے سوا چارہ بھی کیا ہے؟ تمہارے داخلے کے لیے یہ کرنا تو پڑے گا۔‘‘ اس کی امی نے اپنے آنسو صاف کیے اور ربیعہ یہ دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ پھر اسے ایک بچے کی یاد آئی جو اسے گلی کی نکڑ پر ایک گلاب کے ٹوٹے ہوئے پھول کو زمین میں گاڑتے ہوئے ملا۔

’’تم یہ مٹی میں کیوں گاڑ رہے ہو۔ یہ تو ٹوٹا ہوا ہے۔‘‘ اس نے حیرانی سے بچے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

بچے نے اپنا سر اُٹھایا جو پسینے سے شرابور تھا اور نہایت عجیب

طریقے سے اس کو دیکھا جیسے وہ اس کی عقل کی موجودگی کے بارے میں سوچ رہا ہو۔ کم از کم اسے تو یہ ہی لگا تھا۔

"میں اس کو اس لیے گاڑ رہا ہوں تا کہ یہ ہمیشہ ایسا ہی رہے۔ میں اس کو خوراک پہنچاؤں گا اور یہ پھر سے شاداب ہو جائے گا۔" اس بچے نے تفصیل سے بتایا۔

"اگر ایسا نہ ہوا تو......" اس نے اپنے سوال کو بیان کیا۔

"نہیں! ایسا ہی ہو گا۔ یہ ضرور ہرا بھرا ہو گا۔" ربیعہ بچے کے اعتماد کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"اگر اس بچے نے اسی یقین کے ساتھ اس پھول کی نگہداشت کی تو وہ ضرور اُگا ہو گا۔" اس نے خود کلامی کی۔

"ہاں! میں دیکھوں گی اسے۔ وہ ضرور اُگا ہو گا۔"

پھر وہ اپنے بچپن کی یادوں پر سوار ہوئی اور اپنے گاؤں جا پہنچی۔ اس حسین دور کو وہ یاد کر کے مسکرا رہی تھی۔ جامن کے درخت پر چڑھائی، تربوزوں کی چوری، نہر میں نہانے پر پٹائی، اور بھینسوں کے دودھ کی سردائی۔ پھر ایک تلخ یاد اس کے ذہن پر اُبھری، اس کے باپ کی موت۔ سفید لباس میں لپٹا ایک جسم، پھوپھو کے طعنے، چاچاؤں کا ٹھکرانا، ماموں کے سامنے اس کی ماں کا گڑگڑانا، اس کا میٹرک میں بچوں کو پڑھانا، امی کا تڑپنا اور بہن بھائیوں کا ترسنا۔ سب سے بڑھ کر اس کی ماموں زاد بہن کی بات کہ "تم بھیک منگے لوگ! ہماری مدد کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔" اسے کسی سے مانگنا زہر لگتا تھا اور آج اس کی ماں مانگنے کے لیے پھر اسی در پر جا رہی تھی جو اسے نہایت گراں گزرتا تھا اور پھر بس منٹوں میں فیصلہ ہو گیا۔ اسے قربانی دینی تھی، کیوں کہ معجزے بھی ان ہی کے ساتھ رونما ہوتے ہیں جو قربان کرنے کا جذبہ اور جگر رکھتے ہیں۔

......☆......

"امی! مجھے میرے کالج میں وظیفہ مل رہا ہے، بی ایس سی کرنے کے لیے تو میں سوچ رہی ہوں کہ کل سے ہی کالج جانا شروع کر دوں تا کہ جلد از جلد نصاب پورا ہو جائے۔" اس نے ناشتے کے دوران اپنی ماں کو آگاہ کیا۔

"مگر بیٹی! تم تو......" اس کی ماں کے جملے ادھورے ہی رہ گئے۔

"امی! اگر میں انجینئرنگ میں جاؤں گی تو خرچہ بہت ہو جائے گا۔ میری ٹیوشنز بھی چھوٹ جائیں گی اور فاریہ، ماریہ، لبنیٰ، ثناء اور عارش کو بھی تو معیاری تعلیم دلانی ہے جس کے لیے پیسے چاہئیں اور آپ کی سلائی بھی تو بہت کم ہے۔ بس امی! میں نے سوچ لیا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

اس کی ماں اسے دیکھ رہی تھیں کہ کیا ضبط تھا اور اتنی تبدیلی۔ وہ جو انجینئر بننے کے لیے مرتی تھی، آج اس نے اس کو ہی مار دیا۔ بس پھر یہاں تک کا سفر ہی مشکلوں بھرا تھا۔ اس نے اپنا قلم اور ہنر دونوں سنبھالے اور کام میں جت گئی۔ تھوڑی مشکل تو سب کو ہی ہوتی ہے۔ اپنی باتیں وہ قلم کو سونپتی اور ہنر سے دُنیا کو تسخیر کرتی۔ کچھ ہی عرصے کے بعد وہ اسی کلاس میں موجود تھی جس میں آنے کی اس کی خواہش تھی مگر ایک شاگرد کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک اُستاد کی حیثیت سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بہترین انتخاب کیا مگر یہ بات کسی کسی کو سمجھ آتی ہے، مگر دوسری بات جو اسے سمجھ آئی، وہ تھی:

"خدا بھی ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔"

☆☆☆

(بقیہ: ہمتوں کی داستاں......) لیا تھا اور وہ تھا غریبوں کی مدد کرنا۔ وہ دوسروں کے چھوٹے چھوٹے کام اور مدد کر کے خوش ہو جاتا تھا۔ احمد کی سب سے اچھی بات یہ تھی کہ اس نے کبھی اپنے پیشے کو بُرا نہ جانا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ حلال رزق کماتا ہے، اور اس کے لیے یہی کافی تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ احمد نے کرائے پر ایک دُکان خریدی۔ اب اس نے چنا چاٹ کے ساتھ کچھ دوسری چیزیں بھی دُکان پر رکھ لی تھیں۔

کچھ عرصہ بعد اس کی دُکان کا باقاعدہ ہوٹل کی شکل میں افتتاح ہوا۔ احمد کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔ اس نے خدا کے آگے شکرانے کے نفل ادا کیے۔

اس کا ہوٹل پورے علاقے میں مشہور ہے۔ لوگ دُور دُور سے اس کے مزے دار کھانے کھانے آتے ہیں۔

آج احمد پیچھے مُڑ کر دیکھتا ہے تو اس کو کوئی پچھتاوا نہیں ہوتا۔ ہاں وہ بہت آگے تک تعلیم حاصل نہیں کر سکا مگر اس کے بہن بھائی اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ احمد محنت مشقت سے کبھی نہ گھبرایا۔ اس نے بے غرض ہو کر دوسروں کی خدمت کی اور اپنے پیشے کو کبھی حقیر نہ جانا۔ بہت دفعہ مشکلات نے اس کو گھیرا لیکن اس نے مردانہ وار مشکلات کا مقابلہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ کام یابی نے اس کے قدم چومے۔ احمد جان گیا تھا کہ ہر مشکل کے بعد آسانی ہے!!! ☆☆

انڈس ڈولفن

عائشہ ظاہر

دُنیا بھر میں مچھلیوں کی ہزاروں بلکہ لاکھوں اقسام ہیں۔ ان مچھلیوں میں ڈولفن کی بھی بہت سی اقسام پائی جاتی ہیں۔ ڈولفن، مچھلیوں کی سب سے سمجھ دار قسم میں سے ایک ہے۔ بعض ممالک میں ان کو سدھایا بھی جاتا ہے اور ان سے مختلف کرتب اور ڈانس کروا کر عوام کو محظوظ کیا جاتا ہے۔

پاکستان میں دریائے سندھ کے مقام پر ڈولفن کی نایاب ترین قسم پائی جاتی ہے۔ دریائے سندھ کے گدلے پانیوں میں پائی جانے والی اس خوب صورت مچھلی کو انڈس ڈولفن (Indus Dolphin) کہا جاتا ہے۔

سندھ کے مقامی لوگ اسے بھلاں (Bhulan) کہتے ہیں جب کہ ان کا سائنسی نام Plantanista Gongetion Minor ہے۔

ان کی آنکھوں میں وہ شفاف عدسہ (Crystalline Lens) نہیں ہوتا جو دیکھنے میں مدد کرتا ہے، اس لیے انہیں بلائنڈ ڈولفن (Blind Dolphin) بھی کہا جاتا ہے۔ ان کی آنکھیں بے انتہا چھوٹی ہوتی ہیں صرف ایک نقطے کے برابر۔ چوں کہ ان کو بہت دھندلا نظر آتا ہے اور یہ صرف دن اور رات میں فرق کر سکتی ہیں، اس لیے انہیں Side Swimming Dolphin بھی کہتے ہیں۔

خوراک کی تلاش کے لیے سننے اور چھونے کی حس سے مدد لیتی ہیں جسے Echolocation کہتے ہیں۔ انہیں نظر نہیں آتا، اس لیے تیرتے وقت منہ کھلا رکھتی ہیں تاکہ شکار خود بخود منہ میں چلا جائے۔

انڈس ڈولفن کا منہ ایک لمبی چونچ کی شکل میں ہوتا ہے جس میں سے ان کے نوکیلے دانت نظر آتے ہیں۔ کمر پر تکونا (Triangular) کوہان ہوتا ہے۔ ان کا رنگ سرمئی بھورا ہوتا ہے۔ بعض مچھلیوں کے پیٹ کی جلد کا رنگ گلابی ہوتا ہے۔ ان کی لمبائی عموماً ڈیڑھ سے ڈھائی میٹر ہوتی ہے اور وزن 80 سے 90 کلوگرام تک ہوتا ہے۔ ان کی اوسط عمر 30 سال کے لگ بھگ ہوتی ہے۔ انڈس ڈولفن کا وزن پیدائش کے وقت دو سے تین کلوگرام تک ہوتا ہے۔ زمانہ حمل (Gestation Period) 11 سے 12 ماہ ہوتا ہے جو عموماً اپریل اور مئی سے شروع ہو کر اگلے سال اپریل، مئی میں ختم ہوتا ہے۔ پیدائش کے فوراً بعد ماں اپنے بچے کو پکڑ کر پانی کی سطح پر سانس لینے کے لیے لاتی ہے۔ زیادہ تر انڈس ڈولفن ایک

سے ڈیڑھ سال تک بچوں کو اپنے ساتھ رکھتی ہیں اور خوراک کے حصول میں مدد کرتی ہیں لیکن عموماً دیکھنے میں آیا ہے کہ چند ماہ بعد ہی وہ بچوں کو آزاد زندگی گزارنے کے لیے چھوڑ دیتی ہیں۔

1930ء کے بعد سے ڈیموں اور بیراجوں کی تیزی سے تعمیر شروع ہوئی۔ اس وجہ سے انڈس ڈولفن چھوٹے چھوٹے گروہوں میں بٹ گئیں۔ اکثر یہ نہروں کے در میں پھنس جاتی ہیں۔

دریائی پانی کی آلودگی اور گوشت کے حصول کے لیے وسیع پیمانے پر شکار کے علاوہ تیل اور روایتی ادویات میں ان کے استعمال کی وجہ سے بھی ان کی نسل کو خطرہ لاحق ہوا۔ ان کی باقی ماندہ آبادی زیادہ تر سکھر اور گدو بیراج کے درمیان پائی جاتی ہے۔

ان کو ہر دو منٹ بعد سانس لینے کے لیے پانی کی سطح پر آنا ہوتا ہے مگر بعض اوقات یہ مچھیروں کے لگائے گئے باریک جال میں پھنس جاتی ہیں اور سانس لینے اوپر نہیں آپاتیں۔ اس سے بھی ان کی زندگی خطرے سے دوچار ہو جاتی ہے۔

محکمہ جنگلی حیات سندھ کے 2001ء کے سروے کے مطابق ان کی کل تعداد 965 تھی۔ سروے ٹیم کے مطابق جناح اور چشمہ بیراج کے درمیان 2، چشمہ اور تونسہ کے درمیان 84، تونسہ اور گدو بیراج کے درمیان 259، گدو اور سکھر بیراج کے درمیان 602 اور 18 کے قریب سکھر بیراج میں پائی گئیں۔

2006ء کے سروے کے مطابق ان کی تعداد 1,300 ہو گئی ہے۔ اگرچہ گذشتہ سالوں کی نسبت ان کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے، تاہم ان کی تعداد میں اتنا اضافہ نہیں ہوا کہ ہم کہہ سکیں کہ ان کی نسل خطرے سے باہر ہے۔

محکمہ جنگلی حیات کی کوششوں سے مقامی مچھیروں اور عوام میں شعور اُجاگر کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ وہ ان مچھلیوں کی حفاظت میں اپنا کردار ادا کریں۔ چناں چہ اکثر مچھیرے جب کوئی ڈولفن جال میں پھنس جائے تو اسے بحفاظت واپس دریا میں ڈال دیتے ہیں۔

ان کی تعداد میں کمی کے خطرے کے پیشِ نظر سندھ کے محکمہ جنگلی حیات (WWF) نے گدو اور سکھر بیراج کے درمیان جہاں ان کی تعداد زیادہ ہے، مچھلیوں کے شکار پر مکمل پابندی عائد کر دی ہے جو ایک خوش آئند قدم ہے۔ اگر اس طرح کے اقدامات نہ اُٹھائے گئے تو کچھ عرصے بعد ان کا تذکرہ صرف کتابوں تک محدود رہ جائے گا۔

☆☆☆

کھوج لگائیے میں حصہ لینے والے بچوں کے نام

محمد طاہر بن محمد بخش، محمد سفیان شاہین، لودھراں۔ کبشہ ادریس، کراچی۔ محمد حسن بن خالد، سرگودھا۔ مائرہ حنیف، بہاول پور۔ محمد سیف الرحمٰن، میانوالی۔ نورالایمان، فیصل آباد۔ بشریٰ رانا، پٹیالہ، دوست محمد۔ نشاء اعجاز، جوہر آباد۔ تحریم بتول، لاہور۔ عروبہ فاطمہ، مانسہرہ۔ حمیرا خاتون، کلورکوٹ۔ حیان مرزا، حیدر آباد۔ علی عبدالباسط، اٹک۔ اقراء گل سید، چارسدہ۔ علیمہ احمد، آمنہ اختر، راول پنڈی۔ عبدالرشید یوسف زئی، ایبٹ آباد۔ اسامہ بن خرم، گوجر خان۔ محمد حارث سعید، بورے والا۔ علینہ اختر، احمد امین، کراچی۔ محمد طہٰ شفیق، لاہور۔ آمنہ وسیم، ایبٹ آباد۔ عاتکہ رحیم، جوہر آباد۔ فیضہ ذوالفقار، قصور۔ مرزا احسن، فیصل آباد۔ عائشہ خالد، راول پنڈی۔ زینب اسحاق، لاہور۔ سلمٰی رانی، سرگودھا۔ خنساء حسینی، بھکر۔ محمد زبیر جمشید، جہانیاں۔ سائرہ حبیب، تاندلیانوالہ۔ سیدہ تحریم مختار، لاہور۔ ملک محمد احسن، منعم خالد، راول پنڈی۔ محمد عبداللہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ نجم السحر، ملک وال۔ عدن سجاد، جھنگ۔ مریم حسیب، لاہور۔ طلحہ اعجاز، باڑہ ہملٹ۔ اسد عبداللہ، ملتان۔ فرحان سعید، لاہور۔ طاہر علی ضیاء، اسلام آباد۔ وقاص احمد قادری، لالہ موسیٰ۔ محمد شکیل بھٹی، جھنگ۔ محمد بلال صدیقی، سمیعہ توقیر، کراچی۔ سید محمد احمد، لاہور۔ محمد رمیز بٹ، لاہور۔ مریم خالد، گوجرانوالہ۔ ابرار الحق، راجہ جنگ۔ عبدالرافع احمد، لاہور۔ راؤ طلحہ صفدر، ملتان۔ منیب الرحمان، فیصل آباد۔ فاطمہ غلام مصطفیٰ، لاہور۔ کنزہ فاطمہ، فیصل آباد۔ فائزہ رزاق، خانیوال۔ محمد عمیس خان، ڈیرہ غازی خان۔ ماریہ اعظم، قلعہ دیدار سنگھ۔ کشف جاوید، فیصل آباد۔ حسن بابر، لاہور۔ سکندر اعظم، قلعہ میاں سنگھ۔ ریحانہ ذوالفقار، لاہور کینٹ۔ عجیبہ زہرا، لاہور۔ جنید جمشید، احمد پور لمہ۔ عبدالمعیز رفیع، فیصل آباد۔ حضرت امین، پشاور۔ رمشاء اکبر قادری، گوجرانوالہ۔ خدیجہ ضیاء، بہاول پور۔ مریم عبدالسلام شیخ، نواب شاہ۔ عائشہ صدیقہ، ایبٹ آباد۔ زینب گل، اسلام آباد۔ مہرین عبدالصمد، صادق آباد۔ مقدس جبار خان، حیدر آباد۔ طلحہ خباب علی، تلہ گنگ۔ محمد سعد، لاہور۔ عبدالسلام، ٹوپی صوابی۔ مہک خالد شیخ، لاہور۔ محمد اسد، کراچی۔ حافظ ثناء عروج، فیصل آباد۔ حرا ارشد، سارا ارشد، سرگودھا۔ ثمرہ امتیاز، ساہیوال۔ عائشہ اسلم، فیصل آباد۔ محمد حمزہ عاصم، اسلام آباد۔ معظم علی، چونیاں۔ شفاء الرحمٰن، فیصل آباد۔ طیبہ ارشد، شرق پور شریف۔ مناہل نسیم، اسلام آباد۔ تحریم نور طاہر، گجرات۔ نوشین مسعود، ملتان۔ عامر سہیل، لاہور۔ راجہ محمد اسلم، راول پنڈی۔ عمران فاروق، اوکاڑہ۔ افتخار بھٹی، جہلم۔ محمد یاسمین قمر، خانیوال۔ عمیرہ بشیر، قصور۔ عفت بتول، لاہور کینٹ۔ ام کلثوم، خانیوال۔ ریاض حسین، واہ کینٹ۔ احسن فاروق، راول پنڈی۔ وقار صادق، کراچی۔

میری بیاض سے

میں جو سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمین سے آنے لگی صدا
تیرا دل تو ہے صنم آشنا، تجھے کیا ملے گا نماز میں

(ثمن رؤف، لاہور)

سپیروں نے بند کیا سانپوں کو یہ کہہ کر
انسان ہی کافی ہے انسان کو ڈسنے کے لیے

☆

اس سے بہتر تھا اندھیروں میں بھٹکتے رہنا
میں تو شرمندہ ہوں اس دور کا انسان ہو کر

(عدن سجاد، جھنگ صدر)

تیری محبت کی عاجزی اتنی نصیب ہو یا رب
کہ میری آخری سانس ہو اور تیرا کلمہ نصیب ہو

(پروین مقصود ہاشمی، ڈیرہ اسماعیل خان)

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

(رمین زہرہ)

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

(شیرونیہ شاہ، حیدر آباد)

آزاد مجھ کو کر دے، او قید کرنے والے
میں بے زباں ہوں قیدی، تو چھوڑ کر دعا لے

(مناہل نسیم، اسلام آباد)

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بے چارہ نہ مُلّا ہے نہ زاہد نہ حکیم!

☆

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری
کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

(محمد احمد خان غوری، جویریہ غوری، بہاول پور)

دل کے دیے جلا کے اندھیرے میں رہنا سیکھ
بجھتے ہوئے چراغ کا ماتم فضول ہے

(مریم نایاب، خوشاب)

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات

(تنویر سپرا، منڈی بہاؤ الدین)

نشانِ راہ جو دکھاتے تھے ستاروں کو
ترس گئے ہیں کسی مردِ راہ داں کے لیے
نگہ بلند سخن دلنواز جاں پُرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

(کشف طاہر، لاہور)

شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا
پُردم ہے اگر تو تو نہیں خطرۂ افتاد

(عاتکہ بتول، شورکوٹ)

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

☆

سجدوں کے عوض فردوس ملے یہ مجھے منظور نہیں
بے لوث عبادت کرتا ہوں بندہ ہوں تیرا مزدور نہیں

(مومنہ مقصود، ٹوبہ ٹیک سنگھ)

قرآن میں ہو غوطہ اے مردِ مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار

(مہک خالد شیخ، لاہور)

لوگ کہتے ہیں بدلتا ہے زمانہ سب کو
مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

(جانیتا اعظم، لاہور)

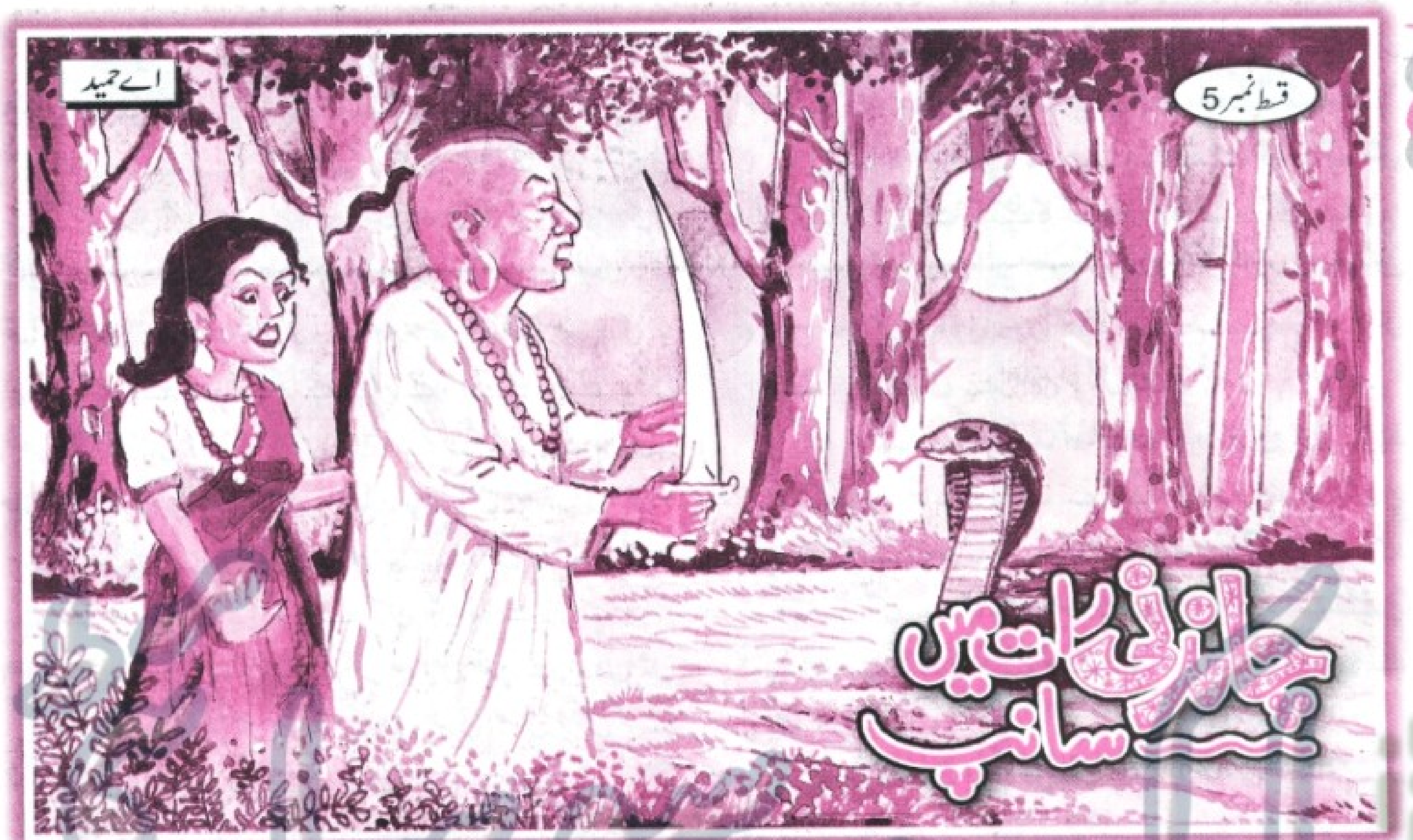

قسط نمبر 5

اے حمید

چاندنی رات میں سانپ

نجومی پانڈو نے فوراً تلوار کھینچ لی۔ چاند نکلا ہوا تھا۔ اس کی چاندنی درختوں میں سے چھن چھن کر آ رہی تھی۔ اسے اپنے سامنے چند قدم کے فاصلے پر ایک کالا سانپ پھن اُٹھائے لہراتا ہوا نظر آیا۔ جولی سانگ ڈر کر پانڈو کے پیچھے ہو گئی تھی۔ اس نے چلاّ کر کہا۔ ”پانڈو! سانپ کو مار ڈالو۔“

کالے سانپ نے جب جولی سانگ کو یہ کہتے سنا تو اپنی زبان میں بولا۔ ”جولی سانگ! یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ تم عظیم ناگ دیوتا کی بیٹی ہو۔ تمہارے جسم سے مجھے عظیم ناگ دیوتا کی خوشبو آ رہی ہے۔ میں اس خزانے کا سانپ ہوں۔ میں تو اپنا خزانہ اس دھوکے باز سے لینے آیا ہوں۔ یہ مکار شخص ہے۔ اس نے جادو کے زور سے تمہاری یادداشت بھلا دی ہے۔ تم شانتا نہیں ہو۔ تم جولی سانگ ہو۔“

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ عنبر ناگ ماریا، کیٹی، تھیو سانگ اور جولی سانگ میں سے صرف عنبر ناگ ماریا اور جولی سانگ ہی سانپوں کی زبان جانتے تھے اور ان کی زبان میں ان سے بات کر سکتے تھے۔ یہ بات خزانے کے اس سانپ کو بھی معلوم تھی۔ اس لیے اس نے جولی سانگ کو دیکھ کر یہ بات کہی تھی۔ سانپ سمجھ گیا تھا کہ یہ خزانے کا چور مکار شخص جادوگر ہے اور اس نے جولی سانگ پر جادو کر کے اپنے قبضے میں کر رکھا ہے مگر جولی سانگ سانپ کی زبان بالکل نہ سمجھ سکی۔ اسے صرف سانپ کی سیٹیوں کی ہی آواز سنائی دیتی رہی۔ دوسری طرف نجومی پانڈو گھات لگائے ہوئے تھا کہ موقع ملتے ہی سانپ پر حملہ کر دے گا۔ سانپ نے ایک بار پھر جولی سانگ سے کہا۔

”جولی سانگ تم چپ کیوں ہو؟ کیا جادو کی وجہ سے تم ہماری زبان بھی بھول گئی ہو؟“

کالا سانپ جولی سانگ سے بات کرنے میں اتنا مصروف ہو گیا تھا کہ اسے کوئی خبر نہ ہوئی کہ عیار نجومی پانڈو تلوار ہاتھ میں لیے ایک طرف سے آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ جوں ہی سانپ نے اپنی بات ختم کی پانڈو نے زور سے تلوار کا وار کیا اور سانپ کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ جولی سانگ نے خوش ہو کر کہا۔ ”خدا کا شکر ہے، اس سانپ سے نجات ملی۔“

سانپ کی آنکھیں ابھی تک جولی سانگ پر لگی تھیں۔ اسے بڑا دکھ ہو رہا تھا کہ جولی سانگ نے اس کی جان نہ بچائی بلکہ اس کی موت پر خوش ہو رہی ہے۔ اس کے ساتھ ہی سانپ مر گیا۔ پانڈو تلوار کو گھاس سے صاف کرتے ہوئے کہنے لگا۔ ”بڑا موذی سانپ معلوم ہوتا تھا۔ تم نے اس کی سیٹیاں ضرور سنی ہوں گی۔“

جولی سانگ نے کہا۔ ”ہاں...... میں تو اس کی سیٹی کی آواز ہی سن کر ڈر رہی تھی۔“

”اب یہ تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔“ یہ کہہ کر نجومی پانڈو کمبل پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔ ”تم سو جاؤ شانتا! میں پہرہ دوں گا۔“

جولی سانگ نے آنکھیں بند کر لیں۔ چوں کہ اب وہ جولی سانگ نہیں رہی تھی، اس لیے اسے بہت جلد نیند آ گئی اور وہ سو گئی۔ نجومی پانڈو تلوار ہاتھ میں لیے بیٹھا پہرہ دیتا رہا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ دن کے وقت گھوڑے کے اوپر بیٹھا بیٹھا اپنی نیند پوری کر لے گا لیکن رات کو جاگ کر خزانے پر پہرہ دے گا۔ اسے یہ بھی خطرہ تھا کہ کہیں ڈاکو آ کر اس کا خزانہ لوٹ کر نہ لے جائیں۔ داناؤں نے سچ کہا ہے کہ جب انسان کے پاس دولت آتی ہے تو سب سے پہلے اس کی نیند غائب ہو جاتی ہے، یعنی وہ نیند کی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اسلام نے ہمیں یہی ہدایت کی ہے کہ ہم صرف ضرورت کا مال اپنے پاس رکھیں اور باقی ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیں۔ اگر ہر شخص اسلام کے اسی سنہری اصول پر عمل کرے تو دُنیا میں کوئی غریب نہ رہے اور ہر کوئی سکون کی نیند سوئے۔

صبح ہوئی تو نجومی پانڈو اور جولی سانگ نے گھوڑے پر خزانے کا صندوق لادا۔ اس پر درختوں کی جھاڑیاں اور خشک لکڑیاں ڈالیں اور بندرگاہ کالی کٹ کی طرف سفر شروع کر دیا۔ دن کے گیارہ بجے کے قریب وہ سمندر کے کنارے بندرگاہ کالی کٹ پہنچ گئے۔ اس زمانے میں بادبانی جہاز چلا کرتے تھے اور مسافروں کے سامان کی چیکنگ اور پڑتال وغیرہ نہیں ہوا کرتی تھی۔ مسافر کرایہ ادا کرتے اور اپنے سامان کے ساتھ جہاز میں سوار ہو جاتے تھے۔ اتفاق سے اس وقت ایک بادبانی جہاز بصرے کی بندرگاہ تک جانے کے لیے بالکل تیار کھڑا تھا۔ پانڈو نجومی نے جلدی سے اسے اپنا اور جولی سانگ کا کرایہ ادا کیا اور خزانے کے صندوق والے بورے کو اپنے کمبلوں وغیرہ کے ساتھ ہی جہاز پر رکھوا دیا اور اس کے پاس ہی بیٹھ گئے۔ آدھے گھنٹے بعد جہاز کا لنگر اُٹھا دیا گیا۔ اس کے بادبان کھول دیئے گئے اور جہاز سمندر میں سفر پر روانہ ہو گیا۔ ”جولی سانگ کو ہم نجومی پانڈو کے ساتھ بادبانی جہاز میں سمندری سفر میں چھوڑ کر واپس وارانا سی شہر میں کیٹی اور تھیو سانگ کے پاس جاتے ہیں۔“ وہ ابھی تک اسی شہر کی سرائے میں بیٹھے عنبر ناگ ماریا اور جولی سانگ کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔ جب ایک ہفتہ گزر گیا اور خاص طور پر جولی سانگ کی کوئی خبر نہ ملی تو تھیو سانگ نے مشورہ دیا۔

”کیٹی! اگر جولی سانگ کی ہمیں یک لخت خوشبو آنی بند ہو گئی تھی تو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس پر جادو کیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے ہمیں یہاں یہ معلوم کرنا چاہیے کہ کوئی جادوگر تو نہیں رہتا۔“

اس بات کا اظہار تھیو سانگ نے ایک ہفتے پہلے بھی کیا تھا۔ کیٹی کہنے لگی۔ ”ہمیں کیسے پتا چلے گا کہ یہاں کوئی جادوگر بھی ہے؟“

تھیو سانگ بولا۔ ”یہ معلوم کرنا اتنا مشکل نہیں ہے۔ لوگ توہم پرست ہیں۔ وہ بیماریوں کو دُور کرنے کے لیے جادو ٹونا ہی کراتے ہیں۔ ہم کسی سے معلوم کر لیں گے۔“

تھیو سانگ نے کیٹی کو ساتھ لیا اور شہر وارانا سی میں آ گیا۔ یہاں ایک مندر تھا۔ تھیو سانگ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ زمین پر اپنے کمزور بچے کو بٹھائے اس کے ارد گرد لکیریں کھینچ رہا ہے۔ تھیو سانگ نے کیٹی سے کہا۔ ”دیکھو! یہ آدمی کسی جادوگر کے کہنے پر اپنے بیمار بچے کا علاج ٹونے ٹوٹکے سے کر رہا ہے۔ آؤ اس سے پوچھتے ہیں۔“

تھیو سانگ نے اس آدمی کے پاس جا کر اس سے پوچھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ اس آدمی نے کہا۔ ”میرے بچے کو سوکھے کی بیماری لگ گئی ہے۔ جادوگر نے کہا ہے کہ اس کو مندر کے صحن میں بٹھا کر ایک سو لکیریں کھینچو۔ بیماری دُور ہو جائے گی۔“

تھیو سانگ نے اس سے پوچھا کہ یہ جادوگر کہاں رہتا ہے۔ اس آدمی نے تھیو سانگ کو جادوگر کا پتا بتا دیا۔ تھیو سانگ نے کیٹی کو ساتھ لیا اور جادوگر کے گھر پہنچ گیا۔ اس جادوگر کے گھر کو اور مریل سے گندے مندے جادوگر کو دیکھتے ہی تھیو سانگ سمجھ گیا کہ یہ نقلی جادوگر ہے اور لوگوں کو یوں ہی دھوکہ دے رہا ہے۔ تھیو سانگ ویسے بھی جادو کا قائل نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جادو اگر دُنیا میں تھوڑا بہت ہے بھی تو اس کا اثر کمزور انسانوں پر یا انسان کے کسی کمزور لمحے میں ہوتا ہے، جیسا کہ جولی سانگ پر ہو گیا تھا یا جیسے عنبر ناگ ماریا پر بھی کبھی کبھی ہو جاتا تھا جب کہ وہ انجانی یا غیر محتاط حالت میں ہوتے تھے۔ تھیو سانگ اور کیٹی کو اندر آتے دیکھ کر جادوگر خوش ہوا کہ دو اور غرض مند گاہک آئے ہیں۔ اس نے پوچھا۔ ”کہو کیا بیماری ہے تم لوگوں کو؟“

تھیو سانگ نے جاتے ہی سونے کا ایک سکہ نیم حکیم جادوگر کے پاس رکھ دیا اور کہا۔ ”کیا تمہارے علاوہ کوئی اور جادوگر بھی اس شہر میں ہے؟“ سونے کا سکہ دیکھ کر تو نیم حکیم جادوگر کی باچھیں کھل گئیں۔ سکہ جیب میں رکھتے ہوئے بولا۔ ”ویسے تو اس شہر میں مجھ سے بڑا جادوگر کوئی بھی نہیں ہے پھر بھی دو تین معمولی

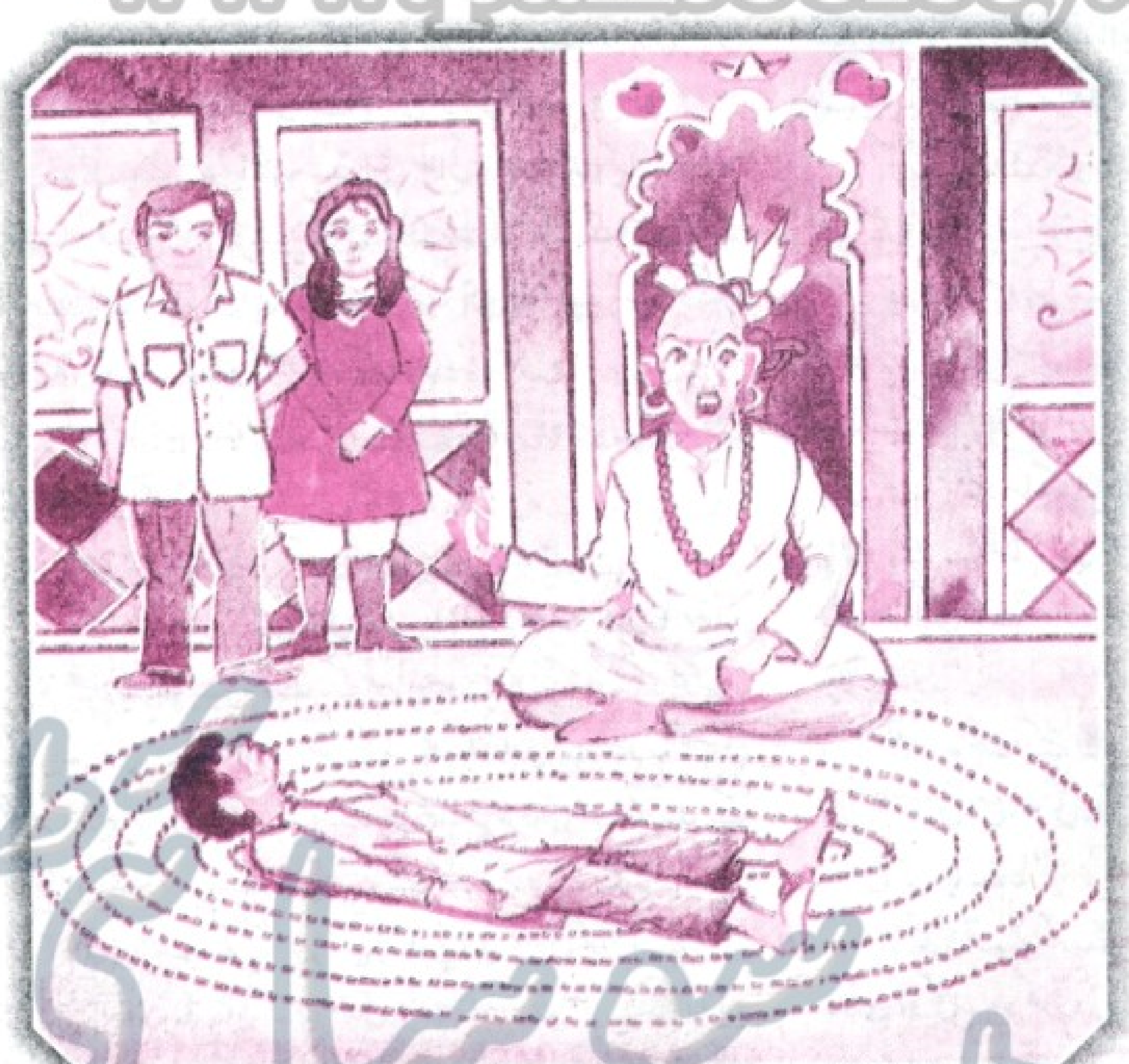

سے جادوگر ہیں لیکن ایک جادوگر ہے جو راجہ کے محل کے دربار میں ہوتا ہے۔ محض سفارش کی وجہ سے اسے دربار میں جگہ مل گئی ہے، حالاں کہ وہ مجھ سے زیادہ لائق نہیں ہے۔"

تھیو سانگ نے کہا۔ "مجھے کسی ایسے جادوگر کی تلاش ہے جو اپنے جادو سے بیماریوں کا علاج نہ کرتا ہو۔"

نیم حکیم جادوگر فوراً بولا۔ "یہی تو میں کہتا ہوں کہ یہ جادوگر معمولی سی بیماری کا علاج نہیں کر سکتا اور دربار میں کرسی پر بیٹھا ہے۔"

"اس کا نام کیا ہے؟" کیٹی نے پوچھا۔

نیم جادوگر بولا۔ "پانڈو ہے اس کا نام۔ بس طلسم کرتا ہے مگر وہ تو شہر کے باہر گیا ہوا ہے۔"

تھیو سانگ نے پوچھا۔ "اسے شہر سے باہر گئے کتنے دن ہوئے ہیں؟" نیم جادوگر نے حساب لگا کر کہا۔ "ایک ہفتہ ہو گیا ہے۔"

تھیو سانگ چونکا کیوں کہ جولی سانگ کو غائب ہوئے بھی ایک ہفتہ ہوا تھا۔ تھیو سانگ نے سوال کیا کہ پانڈو کا طلسم اثر والا ہوتا ہے؟ اس پر نیم حکیم جادوگر بولا۔ "پانڈو کو تو طلسم کا کچھ پتا نہیں ہے۔ بس کم بخت کو نجوم کا علم آتا ہے۔ زائچہ بنا کر بیماریوں کا سراغ لگا لیتا ہے اور پھر کوئی ٹوٹکا دے دیتا ہے اور اب تو وہ جب سے دربار سے وابستہ ہوا ہے، یہ کام بھی نہیں کرتا۔"

تھیو سانگ نے نیم حکیم جادوگر سے پانڈو نجومی کے گھر کا پتا لیا اور سیدھا اس کی حویلی میں پہنچ گیا۔ وہاں جا کر پتا چلا کہ پانڈو تو کسی دوسرے شہر گیا ہوا ہے۔ تھیو سانگ نے چوکیدار سے اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد دو سونے کے سکے اس کی طرف بڑھائے اور پوچھا۔ "پانڈو کے ساتھ کوئی اس حلیے کی عورت بھی تھی جس کے بال سنہری ہیں اور آنکھیں نیلی؟"

چوکیدار نے جلدی سے سونے کے سکے جیب میں ڈالے اور بولا۔ "ہاں جی! ایک سنہرے بالوں اور نیلی آنکھوں والی لڑکی اس کے ساتھ تھی۔ اسی کو لے کر تو وہ باہر گیا ہے۔"

تھیو سانگ نے کیٹی کی طرف دیکھا اور اپنی خلائی زبان میں کہا۔ "میرا شک ٹھیک نکلا۔ یہی کمینہ جولی سانگ پر طلسم کر کے اسے اپنے ساتھ اغوا کر کے لے گیا ہے۔" کیٹی نے بھی خلائی زبان میں کہا۔

"لیکن یہ معلوم کرو کہ وہ بدبخت گیا کون سے شہر میں ہے۔"

تھیو سانگ نے سونے کا ایک اور سکہ چوکیدار کو دیا اور پوچھا کہ پانڈو نجومی کون سے شہر گیا ہے۔ چوکیدار بولا۔ "مہاراج! ہم تو چوکیدار ہیں۔ ہمیں وہ کہاں بتاتے ہیں کہ کہاں جا رہے ہیں۔ بس صبح صبح چار گھوڑے تیار کروائے تھے۔ ایک گھوڑے پر سامان لادا تھا۔ ایک پر سنہری بالوں والی عورت کو بٹھایا۔ ایک پر خود بیٹھے اور چل دیئے۔"

کیٹی نے پوچھا۔ "یہ کس دن کی بات ہے؟"

چوکیدار نے حساب لگا کر جو دن بتایا وہ وہی دن تھا جس دن جولی سانگ غائب ہوئی تھی۔ اب کیٹی اور تھیو سانگ کو یقین ہو چکا تھا کہ پانڈو شاہی نجومی ہی جولی سانگ کو اغوا کر کے لے گیا ہے۔ کیٹی نے سوال کیا۔ "کیا یہ سنہری بالوں والی عورت خوشی خوشی ساتھ گئی تھی؟ میرا مطلب ہے، وہ بے ہوش تو نہیں تھی؟"

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مکمل رینج
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کُتب کی مکمل رینج
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

چوکیدار بولا۔ ''ارے نہیں جناب! وہ عورت تو بڑی خوش تھی۔ ہنس ہنس کر پانڈو جی سے باتیں کر رہی تھی۔''

کیٹی نے تھیو سانگ سے اپنی خلائی زبان میں کہا۔ ''ضرور جولی سانگ پر طلسم کر کے اس کی یادداشت کو گم کر کے اس کی جگہ دوسری یادداشت بھر دی گئی ہے۔ تب ہی وہ اپنے آپ کو نہیں پہچان رہی اور اس کی خوشبو بھی نہیں آتی۔''

تھیو سانگ نے چوکی دار سے پوچھا۔ ''وہ یہاں سے کس طرف گئے تھے؟''

چوکی دار نے کہا۔ ''آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟''

کیٹی نے کہا۔ ''ہمیں شاہی نجومی سے ایک بہت ضروری کام تھا۔''

تھیو سانگ نے رشوت کے طور پر سونے کا ایک اور سکہ چوکیدار کو دیا۔ چوکی دار نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر رازداری سے تھیو سانگ کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔ ''میں نے سنا تھا۔ پانڈو جی اس عورت کے ساتھ ست پڑا وادی کے کسی پُرانے قلعے کا ذکر کر رہے تھے۔''

تھیو سانگ نے پوچھا۔ ''یہ ست پڑا کی وادی کہاں ہے؟''

چوکیدار نے بتایا کہ یہ وادی ہندوستان کے مغرب میں ایک گھنے جنگل میں واقع ہے اور وہاں ایک پُرانے قلعے کا کھنڈر بھی ہے۔ اس کے علاوہ چوکی دار کچھ نہیں جانتا تھا اور تھیو سانگ اور کیٹی کو کافی کچھ معلوم ہو گیا تھا۔ وہ وہاں سے واپس سرائے میں آ گئے۔ رات انہوں نے وادی ست پڑا کے بارے میں سرائے میں ایک آدمی سے مزید معلومات حاصل کیں اور دوسرے دن گھوڑوں پر سوار ہو کر وادی ست پڑا کی طرف روانہ ہو گئے۔ سارا دن وہ سفر کرتے رہے۔ شام ہوئی تو ایک جنگل میں ایک دریا کے کنارے جا پہنچے۔ دریا کو پار کیا تو سامنے ایک اونچا پہاڑ تھا۔ کیٹی نے کہا۔ ''چوکیدار نے اسی پہاڑ کے بارے میں بتایا تھا کہ اس کی دوسری طرف ست پڑا کی وادی شروع ہوتی ہے۔''

تھیو سانگ غروب ہوتے سورج کی روشنی میں پہاڑ کو دیکھ رہا تھا۔ کہنے لگا۔ ''میرا خیال ہے کہ یہی وہ پہاڑ ہے۔''

وہ پہاڑ کی طرف چل دیئے۔ انہیں کھانے پینے یا آرام کرنے کی تو کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ راتوں رات انہوں نے پہاڑ عبور کر لیا اور ابھی پچھلی رات کا اندھیرا باقی تھا کہ وہ ست پڑا کی وادی میں پہنچ گئے۔ چوکی دار نے وادی کی خاص نشانی یہ بتائی تھی کہ وہاں آبنوس کے درخت ساتھ ساتھ اُگے ہوں گے اور جگہ جگہ پہاڑی چشمے بہہ رہے ہوں گے۔ اس وادی میں بھی آبنوس کے بے شمار درخت تھے اور چشمے بھی جگہ جگہ بہہ رہے تھے۔ کیٹی نے کہا۔ ''مگر پُرانے قلعے کا کھنڈر کہیں نظر نہیں آ رہا۔''

''صبح کی روشنی میں قلعے کا کھنڈر بھی مل جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں یہاں رُک جانا چاہیے۔ گھوڑوں کو آرام کی ضرورت ہے۔''

یہ کہہ کر تھیو سانگ گھوڑے سے اُتر آیا۔ کیٹی بھی گھوڑے سے اُتر پڑی۔ انہوں نے گھوڑوں کو چرنے اور پانی وغیرہ پینے کے لیے کھلا چھوڑ دیا اور خود ایک چشمے کے پاس بیٹھ گئے۔ کیٹی کہہ رہی تھی۔ ''تھیو سانگ بھائی! یہ کوئی یقینی بات نہیں ہے کہ نجومی پانڈو قلعے کے کھنڈر میں ہی ہو گا۔ چوکی دار نے کہا تھا کہ وہ قلعے کے کھنڈر کی بات کر رہا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں سے آگے کہیں چلا گیا ہو۔''

تھیو سانگ کہنے لگا۔ ''بہر حال ہمیں قلعے کے کھنڈر کی چھان بین تو کرنی ہی ہو گی۔ ممکن ہے وہاں سے جولی سانگ کا کوئی سراغ مل جائے۔''

باتیں کرتے کرتے صبح ہو گئی۔ وادی صبح کے اُجالے میں روشن ہو گئی۔ وہ گھوڑوں پر بیٹھے اور گھوڑوں کو قدم قدم چلاتے ہوئے اِدھر اُدھر قلعے کے کھنڈر کی تلاش کرنے لگے۔ آخر ایک جگہ انہیں ایک ٹیلے کے پیچھے پُرانے قلعے کا کھنڈر نظر آ گیا۔ اس کی دیواروں پر گھاس اُگ رہی تھی۔ دروازے غائب تھے۔ تھیو سانگ اور کیٹی نے گھوڑوں کو باہر ہی باندھا اور قلعے کے اندر چلے آئے۔ اندر جگہ جگہ ویرانی برس رہی تھی اور پتھروں کے ڈھیر اور ستون گرے پڑے تھے۔ ایک طرف درختوں میں انہیں قبرستان نظر آیا۔ وہ قبروں میں پھرتے رہے۔ کیٹی بولی۔ ''اگر جولی سانگ کی طرح میرے پاس بھی مُردوں سے بات کرنے کی طاقت ہوتی تو میں کسی مُردے سے جولی سانگ کے بارے میں ضرور پوچھتی۔''

تھیو سانگ کہنے لگا۔ ''ویسے تمہارے پاس ایک طاقت تو ہے کہ تم سوائے آگ کے اور کسی طرح نہیں مر سکتی ہو اور تمہارے اندر چھ آدمیوں کے برابر طاقت بھی ہے۔''

کیٹی نے کہا۔ ''یہ طاقت تو ہم سب ہی میں ہے مگر میرے پاس کوئی خاص طاقت نہیں ہے۔''

تھیو سانگ مسکراتے ہوئے بولا۔ ''یاد ہے لاہور شہر کے ایک ہوٹل کے پچھواڑے ایک کنوئیں میں تمہیں ایک جن دوست ملا تھا۔ اس نے تمہیں کہا تھا کہ تم چٹکی بجا کر جس کی چاہے شکل بدل سکتی ہو۔''

(باقی آئندہ)

آپ بھی لکھیے

سچے جذبے

(عیشہ فاطمہ، فیصل آباد)

سرد ٹھنڈی ہوائیں جسم میں نیزے کی طرح اُترتی جا رہی تھیں۔ رات کی دبیز سیاہی ہر شے کو اپنے لبادے میں لپیٹے ہوئی تھی۔ وہ ایک سیاہ اور یخ بستہ رات تھی۔ آسمان پر اُمید کا کوئی ستارہ روشن نہ تھا اور اس ٹھٹھرا دینے والی یخ بستہ رات میں وہ فٹ پاتھ پر لیٹا ہوا سرد ہواؤں میں خوابوں کے محل تراش رہا تھا۔ وہ ایک بچہ ہی تو تھا، پھول، خوشبو اور ستاروں کو پسند کرنے والا مگر اس کا بچپن غربت کی اندھیری راہ میں گم ہو گیا تھا۔ ماں کی گرم آغوش میں بہاروں کی کہانیاں سننے والا صفدر آج فٹ پاتھ کے سرد پتھروں میں ممتا کی گرمی اور انسانیت تلاش کر رہا تھا۔ بوٹ پالش کرنے والا ڈنو، بھیک مانگنے والا جگو، محنت مزدوری کرنے والا احمد اور بہت سے انجانے اور جانے پہچانے چہرے ماحول سے بے خبر سو رہے تھے۔ ان کے جسم سردی سے ٹھٹھر رہے تھے، کانپ رہے تھے مگر نیند کی دیوی ان پر مہربان تھی۔ ایک صفدر ہی تھا جس کی آنکھوں سے نیند کوسوں دُور تھی، اسے ماں یاد آ رہی تھی۔ اس کا گھر خوشیوں سے بھرا ہوا تھا، صفدر سب کی آنکھوں کا تارا تھا۔ مستقبل کا یہ ننھا معمار ماں، بہن اور بھائی کے حسین خوابوں کا محور تھا۔ صفدر پیار، محبت اور آشتی فضا میں خوشیوں بھرے دن گزار رہا تھا۔ اچانک ایک سیاہ شب نے اس کی جنت میں تاریکی لکھ دی۔ وہ شدید بارشوں کا موسم تھا۔ کھیت کھلیان اور کچی عمارتیں تباہ کن بارشوں کا شکار ہو چکی تھیں۔ دریاؤں میں طغیانی کی کیفیت تھی، صفدر کا گاؤں دریا کے قریب تھا جو پہلے ہی تباہ ہو گیا تھا۔ گاؤں سے لوگ دوسرے علاقوں میں منتقل ہو گئے تھے۔ صفدر کا خاندان بھی محفوظ علاقے میں منتقل ہونے کے بارے میں فیصلہ کر چکا تھا۔ بہت سے لوگ لقمہ اجل بن گئے اور اس بدنصیب گاؤں کا کم نصیب صفدر تنہا اور اداس، سہارے کا منتظر تھا۔ الجھتا ہوا، گرتا پڑتا شہر تک پہنچ گیا۔ بھانت بھانت کی بولیاں اور طرح طرح کے چہروں سے شہر کی سڑکیں آباد ہونے لگیں تو وہ فٹ پاتھ پر ڈھیر ہو گیا۔ وحشت زدہ چہرہ، ویران اور حیران آنکھیں اور پھٹا ہوا لباس، فٹ پاتھ کے باسیوں نے اسے اجنبی نہ جانا۔ سالار خان نے میلے رومال میں رکھی روٹی کے ٹکڑوں کو صفدر کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ کھاؤ اور وہ روٹی کے سوکھے ٹکڑوں پر ٹوٹ پڑا۔ روٹی کے چند ٹکڑوں نے اس کی توانائی بحال کر دی اور نیند کے جھونکے آتے ہی وہ فٹ پاتھ کے قریب گیراج میں کھڑی پُرانی گاڑی میں سو گیا۔ سیاہ رات دھیرے دھیرے گزر رہی تھی اور ایک نئی صبح نمودار ہو رہی تھی۔ صفدر ایک نئے عزم کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ شہر کی رونقیں بڑھ رہی تھیں۔ صفدر نے قمیص کا دامن پھاڑا اور سگنل پر کھڑی گاڑیاں چمکانے لگا۔ صفدر محنت پر یقین رکھتا تھا اور محنت کی سیڑھیاں چڑھ کر منزل پر پہنچنا چاہتا تھا۔ صفدر محنت کے ساتھ ساتھ علم کی روشنی پر چلنا چاہتا تھا مگر اس کی راہنمائی کرنے والا کوئی نہ تھا اور پھر ایک دن اسے سچا اور اچھا ساتھی مل گیا۔ جمیل مقامی اسکول کا ڈرائنگ ٹیچر تھا۔ جمیل صاحب صفدر کو اپنے ساتھ کوارٹر میں لے آئے۔ صفدر میں بے پناہ صلاحیتیں تھیں۔ جلد ہی وہ تعلیم کے ساتھ ساتھ رنگوں کی دُنیا سے بھی آشنا ہو گیا۔ اس کی بنائی ہوئی ڈرائنگ مختلف رسالوں پر چھپنے لگیں۔ جمیل صاحب کو صفدر سے بڑی اُمیدیں وابستہ تھیں اور صفدر اپنے محسن سے بے پناہ عقیدت رکھتا تھا۔ صفدر نے محنت سے منہ نہ موڑا اور وہ محنت مزدوری کے ساتھ ساتھ مصوری پر بھرپور توجہ دے رہا تھا۔ وہ ایک خوب صورت شام تھی۔ جمیل صاحب اخبار کا ایک تراشا لیے صفدر کے پاس آئے۔ ’’صفدر دیکھو! اس مقابلے میں تمہیں ضرور شریک ہونا ہے۔ دُنیا بھر کے بچے اس مقابلے میں شرکت کر رہے ہیں اور میرے بچے تمہیں اس یقین کے ساتھ شرکت کرنا ہے کہ انعام تمہارا ہو گا، صرف تمہارا۔‘‘

’’جمیل انکل! انشاء اللہ۔‘‘ صفدر عزم و ہمت کی تصویر بن کر بولا اور وہ نئے حوصلے کے ساتھ شب و روز نت نئے آئیڈیاز پر ڈرائنگ بنانے لگا۔ صفدر نے اپنے سچے جذبوں کا رنگ کینوس میں اُتار دیا۔ جمیل صاحب نے اس کی محنت کو بے حد سراہا اور اس کی تمام

ڈرائنگ یونیسف کے مقابلے میں بھیج دیں۔ صفدر نتائج کے انتظار میں لمحہ لمحہ کا وقت شمار کر رہا تھا اور جو لوگ سچے دل سے محنت کرتے ہیں تو خدا ان کی لگن کا اچھا اجر دیتا ہے۔ صفدر کی محنت بھی رنگ لائی اور صفدر کی ڈرائنگ کو دُنیا بھر کے بچوں کی بنائی ہوئی تصاویر میں اوّل انعام کا حق دار قرار دیتے ہوئے نئے سال کا کیلنڈر اس کی بنائی ہوئی تصویر سے مزین کر دیا گیا۔

یہ جمیل صاحب اور صفدر کے لیے بہت بڑا اعزاز تھا۔ تیسری دُنیا کے ایک غریب یتیم بچے نے اپنی محنت سے ایک بڑا اعزاز حاصل کر لیا تھا۔

(پہلا انعام: 195 روپے کی کتب)

باہمت بچی

(طیبہ بشریٰ، فیصل آباد)

رابعہ ایک بہت پیاری بچی تھی، اپنے ماں باپ کی آنکھوں کا تارا تھی۔ پیدائش سے ہی اس کے ہاتھوں میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ سارے کام کر سکے۔ اس کو پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ اس کی امی بھی لکھنے پڑھنے میں اس کی مدد کرتی تھیں اور اسے ہمیشہ کہتیں: ”رابعہ! تم نے کبھی ہمت نہیں ہارنی، کوشش کرتی رہنا، ایک دن تم ضرور لکھ سکو گی۔“ بدقسمتی سے ابھی رابعہ بارہ سال کی ہوئی تھی کہ اس کے امی ابو آگے پیچھے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ایک رشتے کی خالہ اس کو اپنے ساتھ لے گئیں۔ خالہ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ انہوں نے رابعہ کو اسکول میں داخل کروایا۔ رابعہ کا حافظہ غیر معمولی تیز تھا لیکن وہ صحیح طرح سے لکھ نہ سکتی تھی۔ ہر دفعہ جب وہ تھک کر ہمت ہارنے لگتی تو اس کی امی کی باتیں اس کے دماغ میں گونجتیں: ”رابعہ ہمت کبھی نہ ہارنا“ اور وہ پھر لکھنے کی کوششوں میں لگ جاتی۔ اس کی اُستانی کئی دفعہ اس کی خالہ کے پاس آئیں اور کہا کہ آپ بچی کو اسکول سے ہٹا لیں۔ چوں کہ یہ لکھ نہیں سکتی، اس لیے اگلی کلاس میں نہیں جا سکتی۔ آپ اپنا وقت اور پیسہ برباد نہ کریں۔ کلاس میں کئی دفعہ اس کو ڈانٹ ڈپٹ بھی ہوتی۔ دوسری لڑکیوں کے تمسخر کا نشانہ بھی بنی۔ اکثر وہ فیل بھی ہو جاتی۔ ایک دفعہ تو وہ سالانہ امتحان میں بھی فیل ہو گئی کیوں کہ وہ بہت آہستہ لکھتی تھی اور پیپر کا ٹائم ختم ہو گیا لیکن اس نے کوشش ترک نہ کی۔ وہ گھر میں ہر آدھے گھنٹے بعد لکھنے کی مشق کرتی رہتی اور ساتھ میں اللہ تعالیٰ سے رو رو کر دعا کرتی۔ ”اے اللہ! میری انگلیوں میں طاقت دے۔“ آہستہ آہستہ اس کی انگلیاں جان پکڑنے لگیں۔ بالآخر اس کی اَن تھک محنتیں رنگ لائیں اور اس نے میٹرک کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔ اس کی ساری ٹیچرز اس معجزے پر حیران رہ گئیں۔ اس دن رابعہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ رات کو خواب میں رابعہ کی امی آئیں تو انہوں نے کہا۔ ”میری بچی! میں تم سے بہت خوش ہوں، تم نے ہمت نہیں ہاری۔ تم بہت باہمت بچی ہو، خدا ہر موڑ پر تمہارا حامی و ناصر ہو۔“ آج رابعہ معاشرے کا ایک فعال رکن بن کر اپنی ذمہ داریاں نبھا رہی ہے۔ یہ سب کچھ اس کی ہمت اور لگن کے سبب ممکن ہوا۔

(دوسرا انعام: 175 روپے کی کتب)

میری کہانی

(افشاں حسن، جہلم)

میں چھوٹی سی تھی جب ابو مجھے اپنے ساتھ بازار لے کر گئے اور مجھے میرے ہوم اکنامکس کے پیپر کے لیے بہت سی چیزیں اور ایک گڑیا لے کر دی اور پیپر کی تیاری کروائی۔ اگلے دن باقی بہن بھائیوں کے ساتھ اسکول چھوڑ کر آئے۔ اس سال میں نے اور میری بڑی بہن نے اعلیٰ نمبروں کے ساتھ اپنا اپنا امتحان پاس کیا اور ہم سب بہن بھائیوں کو امی ابو کی طرف سے بہت سے تحفے ملے۔ اسی سال میرے والد، اپنے خاندان کے واحد کفیل، دو بیٹیوں اور دو بیٹوں کو دُنیا کے سخت حالات میں ایک دن اکیلے چھوڑ کر دُنیا سے چلے گئے۔ ابو کے بھائیوں نے جائیداد کا کافی حصہ ہتھیا لیا جس کی وجہ سے ہماری والدہ سخت پریشان ہوئیں۔ ہمارے پاس اب صرف وہ گھر تھا جس میں ہم رہتے تھے۔ آمدن کا کوئی ذریعہ نہ رہا، پھر ہمارے نانا جان نے ہماری پرورش کی ذمہ داری لے لی اور اپنے گھر لے گئے۔ ماموں ممانی نے بھی پہلے بہت اچھا سلوک کیا مگر آہستہ آہستہ ان کے پیار میں کمی آ گئی، ہمیں بات بات پر بُرا بھلا کہتے۔ ہماری امی سارا دن گھر کا کام کرتیں تاکہ ہمیں پڑھنے لکھنے کا وقت مل جائے اور ہم اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکیں۔ ماموں ممانی کا بُرا سلوک دن بدن بڑھتا چلا گیا۔ امی نے ان کے بُرے سلوک سے تنگ آ کر ابو کا پُرانا گھر بیچ دیا اور نانا ابو کے گھر کے پاس ایک چھوٹا سا گھر خرید لیا۔ میری امی دن رات محنت کر کے گھر کا خرچ پورا کرتیں۔ نانا ابو نے میری بڑی بہن کی شادی کر دی اور میرے

ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

بڑے بھائی کو اپنے ساتھ کام پر لگا لیا۔ میں نے کچھ عرصے میں میٹرک کا امتحان اوّل درجے کے ساتھ پاس کیا۔ تعلیم کے اس شوق نے مجھے آگے پڑھنے پر مجبور کیا مگر میری والدہ میری اعلیٰ تعلیم کا خرچ ادا نہیں کر سکتی تھی۔ میری بڑی بہن نے ماموں سے میری تعلیم کے لیے خرچ مانگا تا کہ میں آگے پڑھ سکوں مگر انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ پڑھنے کے لیے پیسے نہیں ہیں تو پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس جواب نے مجھے خود محنت کرنے پر اکسایا اور میں نے ٹیوشن پڑھانا شروع کر دیا۔ اپنے تعلیمی اخراجات کو خود پورا کیا اور ایف اے کا امتحان اچھے گریڈ کے ساتھ پاس کیا جس پر مجھے ایک کمپنی کی طرف سے اسکالرشپ دیا گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مدد تھی جو اللہ تعالیٰ نے میری سچی لگن کو دیکھتے ہوئے مجھے عنایت کی اور میں نے بی اے میں داخلہ لیا۔ اس دوران ٹیوشن پڑھانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ چھوٹے بھائی کے میٹرک پاس کرتے ہی نانا ابو نے میرے بڑے بھائی کو کام سے نکال دیا۔ اپنے آپ کو پالنے کے لیے اب ہمیں اپنے پیروں پر کھڑا ہونا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر میرے دونوں بھائیوں نے کپڑے کی دُکانوں پر نوکری کر لی اور اپنے پیروں پر کھڑے ہو گئے لیکن ہماری کام یابی رشتہ داروں سے برداشت نہ ہوئی۔ طرح طرح کے الزامات اور بُرے القابات، بہت سی باتیں سننے کو ملیں مگر اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر اپنی محنت پر یقین رکھتے ہوئے ہم آگے بڑھتے گئے۔ اللہ کے فضل و کرم سے میرے بھائی بھی اپنا کاروبار شروع کر چکے ہیں۔ ایک یتیم صرف اللہ کے بھروسے پر اپنی زندگی سنوار سکتا ہے، ورنہ دُنیا کے سخت تھپیڑے یتیموں کو کچل دیتے ہیں یا بُری صحبت میں ڈال دیتے ہیں۔ ہم سب ایک کام یاب زندگی گزار رہے ہیں اور ہماری کام یابی کو روکنے والے، ہماری ثابت قدمی اور ایمان داری کی تعریف کرنے پر مجبور ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرتے ہیں، اللہ ان کی مدد ضرور فرماتا ہے۔

(تیسرا انعام: 125 روپے کی کتب)

ندامت

(رباب صابر، کامرہ اٹک)

آج عید کا دن تھا۔ علی صبح صبح جاگا، نہا دھو کر تیار ہوا اور اپنے ابو کے ساتھ عید کی نماز پڑھنے گیا۔ واپس آ کر اس نے جلدی سے ابو سے عیدی لی اور عثمان کے گھر کی طرف چل دیا۔ عثمان بھی علی کے انتظار میں بیٹھا تھا۔ دونوں چاٹ کھانے باہر گئے مگر انہیں چاٹ کھانے کا بالکل مزا نہیں آیا۔ روزانہ کی طرح کا ہی ذائقہ تھا۔ پھر انہوں نے آئس کریم کھانے کا فیصلہ کیا مگر آئس کریم کھانا بھی ان کو روزانہ کی طرح لگ رہا تھا۔ آخر علی بول پڑا۔ ''یار عثمان، آج عید کا دن ہے اور لگ ہی نہیں رہا۔ سب کچھ روزانہ کی طرح ہے۔''

''ہاں، یار علی! تم صحیح کہہ رہے ہو۔'' عثمان نے علی کی تائید کی۔ وہ دونوں باتیں کرتے کرتے پارک میں آ گئے۔ پارک میں بچے رنگ برنگے کپڑے پہنے کھیل رہے تھے۔

''چلو علی فٹ بال کھیلتے ہیں۔'' عثمان کھیلتے ہوئے بچوں کو دیکھ کر بولا۔ ''نہیں، یار عثمان روزانہ ہی تو کھیلتے تھے۔ آج دل نہیں چاہ رہا۔'' علی پارک میں بنچ پر بیٹھ گیا۔ عثمان بھی علی کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ''یار علی، ہم نے رمضان کے روزے نہیں رکھے اور کھاتے پیتے رہے، کھیلتے کودتے رہے تو آج عید کا دن بھی ہمیں عام دنوں کی طرح لگ رہا ہے۔'' عثمان کی یہ بات سن کر جہاں علی نے تائیدی انداز میں سر ہلایا، وہیں اس بنچ کے پیچھے کھڑے ان دونوں کے والد حیران ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ آخر عثمان کے والد آگے آئے۔ ''تم دونوں نے رمضان کے روزے نہیں رکھے؟'' انہوں نے سوالیہ نظروں سے دونوں کو دیکھا۔

شفیق صاحب کو دیکھ کر پہلے تو دونوں چونکے، پھر ندامت سے سر جھکا لیا۔ ''تم دونوں نے ہم سے جھوٹ بولا۔ ہمارے سامنے تم روزہ رکھتے تھے اور باہر آ کر کھاتے پیتے تھے۔'' علی کے والد صفدر صاحب دکھ سے بولے۔ ''ابو! ہمیں معاف کر دیں، ہم سے گرمی کی بھوک اور پیاس برداشت نہیں ہوتی تھی۔ اس لیے ہم باہر آ کر روزہ توڑ دیتے تھے۔ ابو، ہم بہت شرمندہ ہیں۔'' علی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ''جی پاپا جی! آج ان بچوں کو کھیلتا کودتا اور خوشی سے کھاتا پیتا دیکھ رہے ہیں تو ہمیں بہت افسوس ہو رہا ہے۔'' عثمان ندامت سے بولا۔ ''آج یہ بچے خوشی سے کھا پی رہے ہیں کیوں کہ انہوں نے پورا مہینہ روزے رکھے ہیں اور عید، روزہ داروں کے لیے اللہ کا خاص انعام ہے۔ پورا مہینہ یہ لوگ اللہ کی رضا کے لیے بھوکے پیاسے رہے تو آج یہ عید کا دن واقعی ان کے لیے خوشی کا دن ہے اور تم دونوں نے پورا مہینہ بھی کھیل کود اور کھانے پینے میں گزارا تو

آج عید کے دن یہ مزے مزے کی چیزیں تم لوگوں کو خوشی نہ دے سکیں۔ آج کا دن بھی تم دونوں کے لیے باقی دنوں جیسا ہے۔‘‘ صفدر صاحب بول کر جیسے ہی چپ ہوئے، علی اور عثمان یک زبان ہو کر بولے۔ ’’ہمیں معاف کر دیجیے، ہم آئندہ ایسا کبھی نہیں کریں گے۔ ہم ہمیشہ روزے رکھیں گے۔‘‘

شفیق صاحب کے کہنے پر دونوں نے نم آنکھوں سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

(چوتھا انعام: 115 روپے کی کتب)

آہ! وہ سبق

(مومنہ عامر حجازی، لاہور)

’’نہیں، مجھے نہیں پڑھنا۔ پڑھنا لکھنا بورنگ ہے، اس سے کوئی فائدہ نہیں ہونے والا۔ آج بھی مجھے ماسٹر جی نے ڈانٹا ہے، میں ہر روز مار کھا کر تنگ آ گیا ہوں۔‘‘ یہ الفاظ حسن کے تھے جو آج اسکول نہ جانے کی ضد کر رہا تھا۔ امی ابو نے لاکھ کوششیں کیں مگر حسن میاں کے سر پر جوں تک نہ رینگی۔ ان کو کچھ سمجھ نہ آئی کہ کیا کریں۔ اپنے بیٹے کو بہت سمجھایا مگر اس نے سنی ان سنی کر دی۔ ’’بیٹا! آپ نے بھی تو پڑھ لکھ کر کچھ بننا ہے ناں!‘‘ ابا نے پیار سے سمجھایا مگر حسن نے ان کی بھی نہ سنی اور کہا کہ آپ چاہے جو مرضی کر لیں، میں نے مزید نہیں پڑھنا۔ پانچ جماعتیں پڑھ لی ہیں، یہ بھی کم بات نہیں۔ حسن نے فخر سے کہا تو امی نے کچھ کہنا چاہا مگر وہ زور سے دروازہ بند کر کے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ آج کا دن چھٹی کلاس میں چھٹیوں کے بعد پہلا دن تھا۔ اسے لگتا تھا کہ آج اسے ماسٹر جی چھٹیوں کا کام مکمل نہ کرنے اور پیپرز میں کم نمبر لانے کی وجہ سے ڈانٹیں گے۔ حسن کا اندازہ بالکل ٹھیک تھا کیوں کہ وہ چھٹیوں میں بس کھیلتا رہا۔ وہ گیارہ سال کا بچہ تھا اور اپنے ماں باپ کا اکلوتا اور لاڈلہ تھا۔ اس کے امی اور ابو اسے زیادہ ڈانٹنا مناسب نہ سمجھتے مگر پڑھائی کے معاملے میں ڈانٹ بھی دیتے تھے۔ انہوں نے اس کی ہر خواہش پوری کی تھی۔ وہ سوچتا تھا کہ امی ابو نے میری ہر خواہش پوری کی ہے مگر وہ میری پڑھائی چھوڑنے والی خواہش کو پورا کیوں نہیں کر سکتے۔

حسن کی عمر اب اٹھارہ سال ہو چکی تھی اور وہ انہی ماضی کی سوچوں میں گم تھا کہ اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے آنسو پونچھے اور سوچنے لگا کہ اگر آج میں پڑھ لکھ جاتا تو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ اب وہ کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہ تھا کیوں کہ بچپن میں وہ ماں باپ کا نافرمان تھا اور اللہ نے اسے نافرمانی کی سزا کچھ اس طرح دی تھی کہ اسے پڑھائی اور علم کے چراغ سے بے نور کر دیا تھا۔ حسن کے ماں باپ اب بوڑھے تھے اور وہ ان کی خدمت کر کے اپنے رب کو راضی کر رہا تھا کہ شاید اس کا رب اس سے راضی ہو جائے۔

(پانچواں انعام: 95 روپے کی کتب)

اخلاق اور باہمت بچے

(علینہ احمد، راول پنڈی)

جس طرح ایک مالی اپنے باغ کا نگہباں ہوتا ہے، درختوں اور پودوں کو ہرا بھرا رکھنے میں اپنا کردار ادا کرتا ہے، اسی طرح ایک باپ اپنے بچوں کی نشوونما اور ان میں اعلیٰ اوصاف اُجاگر کرتا ہے۔ ماں باپ دونوں مل کر یہ فرض ادا کرتے ہیں باپ کا کردار معاشی فرائض کی بجا آوری بھی ہوتا ہے مگر مشیت ایزدی کے آگے اس وقت سرِ خم کرنا ہوتا ہے جب بچوں کے سر سے باپ کا سایۂ عاطفیت اُٹھ جاتا ہے۔ اس وقت قیامت صغریٰ کا سماں ہوتا ہے مگر وقت سب سے بڑا مرہم ہے۔ آہستہ آہستہ حالات اپنی ڈگر پر آ جاتے ہیں اور زندگی اپنے معمول پر رواں دواں ہو جاتی ہے۔ خوش قسمتی سے ہمارے اسلامی معاشرہ میں سایۂ عاطفیت سے محروم بچوں کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے۔ قرآن نے واضح طور پر ان بچوں سے حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے۔ یتیموں کا مال کھانے والوں کو جہنم کی وعید دی گئی ہے۔ ان بچوں کو اخلاق اور محبت کا درس دینا چاہیے۔ ان کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانا ضروری ہے۔ خصوصی طور پر آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ کے متعلق بتلانا کہ وہ خود بھی یتیم تھے مگر انہوں نے فقیری میں بھی تونگری کی۔ جو مال متاع ملا اسے غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیا۔ جود و سخا کا وہ نظارہ پیش کیا، جو اب خواب و خیال بن گیا ہے۔ حضرت محمد ﷺ کی زندگی کے ہر پہلو کو سامنے رکھنے میں ایک عزم حوصلہ اور جذبۂ ایمان بیدار ہوتا ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ سایۂ عاطفیت سے محروم بچے اللہ کی رحمت سے محروم رہیں اور کردار کی بلندی حاصل نہ کریں۔ ان بچوں کو یہ باور کرایا جائے کہ ان تھک محنت اور اللہ کی رحمت پر بھروسا کر کے ہر مشکل کام آسان ہو جاتا ہے۔ نیک اعمال، کردار سازی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ان بچوں میں اخلاق حمیدہ کا پیدا کرنا، ان میں خود اعتمادی کا جوہر بیدار کرے گا۔

(اعزازی مضمون)

ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

ہمارے ہیرو

محمد بن قاسم

غلام حسین میمن

عرب کے علاقوں پر ان دنوں بنو اُمیہ خاندان کی حکومت تھی۔ عراق کا گورنر حجاج بن یوسف تھا۔ لنکا کے جزیرے میں چند عرب تاجروں کا انتقال ہوا تو ان کے بیوی بچے ایک بحری جہاز میں سفر کر کے حجاج بن یوسف کے پاس آ رہے تھے۔ اتفاق سے سمندر میں طوفان آیا اور لہریں بپھر گئیں۔ نتیجتاً جہاز اپنا راستہ بھٹک کر سندھ کی بندرگاہ دیول (جسے دیبل بھی کہتے ہیں) کے کنارے آ لگا۔ یہاں پہلے سے موجود لٹیروں نے تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا۔ ان لٹیروں کے چنگل سے کچھ لوگ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور انہوں نے جا کر عراق کے شہر بصرہ میں حجاج بن یوسف کو سارا واقعہ بتایا۔ سمندری لٹیروں کے ظلم کا حال سن کر وہ پریشان ہوا۔ اس موقع پر حجاج بن یوسف کو ایک قیدی عورت کی فریاد بھی بتائی گئی کہ کس طرح وہ چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی حجاج میری مدد کو پہنچ۔ حجاج نے اسی وقت فیصلہ کیا کہ میں لشکر ضرور بھیجوں گا۔

حجاج بن یوسف نے سندھ کے راجہ داہر کو فوری خط لکھا کہ ہمارے لوگوں کو سمندری ڈاکوؤں سے آزاد کر کے ہمارے پاس بھیج دو اور جن لوگوں نے یہ ظلم کیا ہے انہیں قرار واقعی سزا دو۔

راجہ داہر نے سوچا کہ حجاج تو سینکڑوں میل دُور بیٹھا ہے، وہ میرا کیا بگاڑ لے گا۔ اس نے ٹالنے والے انداز میں جواب دیا کہ ان ڈاکوؤں پر میرا کوئی اختیار نہیں، تم میں ہمت ہے تو آ کر آزاد کرا لو۔

حجاج بن یوسف نے پہلے تھوڑی سی فوج کے ساتھ ایک سردار عبداللہ سلمیٰ کو بھیجا، جو راجہ داہر کے لشکر کے مقابلے پر آئے اور شہید ہو گئے۔ اس کے بعد حجاج بن یوسف نے دوسرا بہادر سردار بدیل کو بھیجا۔ اس بار راجہ داہر نے مسلمانوں سے لڑنے کے لیے اپنی فوج کے ساتھ ہاتھی بھی بھیجے تھے جو بدمست تھے۔ سردار بدیل نے ان ہاتھیوں کی پرواہ نہ کی اور تلوار لہراتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو جوش دلایا اور آگے بڑھتے گئے۔ ہاتھی کو دیکھ کر ان کا گھوڑا بدک گیا اور وہ گھوڑے سے گر کر شہید ہو گیا۔

حجاج بن یوسف نے دونوں بار صرف اپنے قیدیوں کو چھڑانے اور ڈاکوؤں کو سزا دینے کے لیے دیول پر چڑھائی کی تھی، مگر اب اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ سمندری ڈاکوؤں کا تو صرف بہانہ ہے، اصل لڑائی تو راجہ داہر اور اس کی فوج کے ساتھ ہے۔ اس لیے اس نے زیادہ طاقت سے حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اب اس نے نئے انداز سے بھرپور حملے کی تیاری شروع کی۔ اس نے

شام سے چھ ہزار سپاہی بلوائے۔ شامی بڑے بہادر سمجھے جاتے تھے۔ ان کے ہمراہ کھانے پینے کی ہر چیز، مرہم پٹی کا سامان اور ہتھیار کا خاص خیال رکھا گیا تھا۔ منجنیق اس زمانے کا مشہور ہتھیار تھا جو توپ کا کام دیتا تھا۔ اس کی مدد سے بڑے بڑے قلعے سر کیے جاتے تھے۔ منجنیق کی مدد سے بھاری پتھر بآسانی پھینکے جاتے تھے اور اس طرح قلعے کی مضبوط دیوار کو توڑ کر سوراخ کرنا آسان تھا۔ اس کے بعد اس سوراخ والے حصے سے فوج اندر داخل ہو کر شہر فتح کر لیتی تھی۔

حجاج بن یوسف نے اس بار فوج کا سپہ سالار ایک سترہ سالہ نوجوان محمد بن قاسم کو مقرر کیا، جو اس کا بھتیجا تھا۔ محمد بن قاسم ایک سچا سپاہی اور اعلیٰ درجے کا شہ سوار تھا۔ میدانِ جنگ میں اس کا ذہن مزید زرخیز ہو جاتا اور وہ نت نئی تدابیر اختیار کر کے جنگ لڑتا تھا۔ حجاج بن یوسف کو یقین تھا کہ کسی سپہ سالار میں جو خوبیاں ہونی چاہئیں، وہ اس نوجوان میں موجود تھیں۔

محمد بن قاسم اپنی فوج کے ہمراہ مکران کے راستے ہوتے ہوئے دیول پہنچا اور وہاں پڑاؤ ڈال دیا۔ اس زمانے میں مسلمانوں کا قاعدہ تھا کہ جہاں پڑاؤ ڈالتے تھے، وہاں خندق کھود ڈالتے تھے۔ محمد بن قاسم نے بھی یہی کیا۔ اس سے فائدہ یہ ہوتا تھا کہ اگر دشمن بے خبری میں حملہ کر دے تو بچاؤ ممکن ہو جاتا۔ اس کے بعد یہاں خیموں کا بازار لگ گیا۔

جنگ کا آغاز ہوا۔ دیول خاصا بڑا شہر تھا اور اس میں بہت سے مندر (ہندوؤں کی عبادت گاہ) تھے۔ ان میں ایک مندر سب سے بڑا تھا۔ اس پر سبز ریشم کا بڑا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ محمد بن قاسم نے منجنیق کی مدد سے شہر پر پتھر برسانا شروع کیا۔ مسلسل سات دن تک وہ لڑتے رہے، مگر شہر کے اندر داخل ہونا مشکل لگ رہا تھا۔ بالآخر بڑے مندر کے سبز جھنڈے کو جیسے ہی زمین پر گرایا، شہر میں کہرام مچ گیا۔ اب ہندو فوج شہر کے مرکزی دروازے کے باہر آ کر لڑنے لگی، مگر زیادہ دیر نہ ٹھہر سکی۔ پھر مسلمانوں نے اس زور کا حملہ کیا کہ انہوں نے امان طلب کرنے ہی میں عافیت سمجھی اور پھر انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔

محمد بن قاسم نے دیبل فتح کرتے ہی ان قیدیوں کی تلاش کروائی جن کے لیے حملہ کیا گیا تھا۔ وہ تمام قیدی دیول میں مل گئے۔ اس کے بعد وہ آگے بڑھنے کی تیاری کرنے لگا۔

راجہ داہر کو جب دیول کے فتح ہونے کی خبر ملی تو اس نے محمد بن قاسم کے نام ایک خط لکھا جس میں اسے صاف لفظوں میں دھمکی دی تھی کہ ایک چھوٹا شہر دیول فتح کر کے اپنے آپ کو بڑا فاتح نہ سمجھ لینا۔ اب اگر تم نے اس سے آگے قدم بڑھائے تو سوچ لینا کہ میرے بہادر سپاہی اور جنگی ہاتھی تمہارا کیا حشر کریں گے۔

محمد بن قاسم نے جواب میں لکھا کہ: ”تجھے اپنے سپاہیوں اور ہاتھیوں پر بھروسا ہے اور مجھے اپنے اللہ کے کرم پر بھروسا ہے۔ یا تو میں تجھے شکست دوں گا یا پھر اللہ کے راستے میں اپنی جان پیش کروں گا۔“

محمد بن قاسم آگے بڑھا۔ اس کے راستے میں پہلا بڑا شہر نیرون آیا جو اس نے لڑے بغیر فتح کر لیا، کیوں کہ اس شہر کے لوگ پہلے ہی اس سے امان طلب کر چکے تھے۔ نیرون نامی شہر کا موجودہ نام حیدر آباد ہے۔ وہ راستے میں کئی شہروں اور قلعوں کو فتح کرتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔ اس کا اصول تھا کہ اس نے جو بھی شہر یا علاقہ فتح کیا، وہاں کے لوگوں کو مکمل امان دی اور کوئی قتل و غارت گری یا لوٹ مار نہیں کی۔ اس نے ہندوؤں کے مندروں کو اسی حالت میں رکھا اور لوگوں پر پوجا پاٹ کی کوئی پابندی نہیں لگائی۔ کئی شہروں کے حاکم اور نگران ان ہی ہندوؤں کو مقرر کیے جو اس سے پہلے بھی تھے۔ اس نے صرف شہروں کو بھی فتح نہیں کیا بلکہ اپنے اخلاق اور عمدہ عملی نمونے سے ان کے دلوں کو بھی فتح کر لیا۔

وہ شہروں کو پھلانگتا ہوا دریائے سندھ کے مشرقی حصے کے پاس پہنچا۔ دریا کے اس پار کا سارا علاقہ راجہ داہر کے قبضے میں تھا۔ راجہ اس خیال سے مطمئن تھا کہ مسلمان دریا عبور کر کے مشرقی کنارے تک نہیں آ سکتے۔ اس نے محمد بن قاسم اور اس کی فوج کو روکنے کے لیے انتظام بھی کر رکھا تھا۔ جگہ جگہ تیرانداز مستعد کھڑے تھے۔

دوسری جانب محمد بن قاسم، راجہ داہر سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے بے چین تھا۔ اس نے اپنے ایلچی کو بھیج کر راجہ داہر کو پیغام بھیجا کہ تم دریا کے پار اُتر کر آتے ہو یا ہم دریا پار کر کے آئیں۔ اس نے جواب دیا۔ ”چاہے تم آؤ یا ہم، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم لڑنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔“

محمد بن قاسم نے دریا کے پار اُترنے کے لیے کشتیاں جمع کرنا

ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

شروع کر دیں اور انہیں ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ کر رسیوں سے بندھوایا۔ اس طرح کشتیوں کا پل تیار ہو گیا، جس کی لمبائی دریا کی چوڑائی کے دوسرے کنارے تک تھی۔ کشتیوں میں بہادر سپاہی بٹھا دیئے جو سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھ میں کمانیں تھیں اور پشت (کمر) پر تیروں کے مٹھے تھے جنہیں ترکش بھی کہا جاتا ہے۔ اب یہ قافلہ آگے بڑھا تو راجہ داہر کے تیراندازوں نے انہیں آڑے ہاتھوں لیا، مگر ان کے سامنے داہر کے سپاہیوں کی کچھ نہ چلی۔ جواباً محمد بن قاسم کے سپاہیوں نے تاک تاک کر راجہ کے لوگوں کو زخمی کرنا شروع کر دیا۔ باقی نے راہِ فرار اختیار کی۔ یوں یہ فوج شہر میں داخل ہوتی چلی گئی۔

راجہ داہر اس وقت سویا ہوا تھا۔ جب اسے اُٹھا کر یہ اطلاع دی گئی تو اس نے گھبراہٹ کے عالم میں اپنے بیٹے جے سنگھ کو مقابلے پر بھیجا۔ اس کی ساری فوج تو کام آ گئی مگر وہ خود فرار ہونے میں کام یاب ہو گیا۔ اب راجہ داہر آگے بڑھا اور اس نے اپنی فوجیں جھیل کے کنارے اُتاریں۔ اس جنگ میں راجہ کو اپنے ہاتھیوں پر بڑا ناز تھا۔ گھوڑے ان کو دیکھ کر بدک جاتے تھے۔ مسلمانوں نے یہ طریقہ اپنایا کہ جہاں ہاتھی نظر آیا، گھوڑے سے کود کر چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں بنا کر ہاتھی کو گھیر لیا۔ ایک نے ہاتھی کی آنکھ میں تیر مارا اور دوسرے نے تلوار کے ایک ہی وار سے سونڈ کاٹ کر رکھ دی، نتیجتاً ہاتھی چنگھاڑتا ہوا بھاگ کھڑا ہوا اور اپنی ہی فوج کو روندتا گیا۔ ان بھگوڑے ہاتھیوں کی وجہ سے راجہ داہر کی فوج کو بہت نقصان ہوا۔ نویں دن کی شام کو لڑائی کا فیصلہ ہو گیا اور راجہ داہر کی فوج نے راہِ فرار اختیار کی۔ راجہ داہر کا کوئی پتا نہ چلا۔ بعد میں اس کی لاش جھیل کے کنارے مل گئی۔ اس کے بعد محمد بن قاسم سندھ کے چند اور شہروں کو فتح کرتا ہوا آگے بڑھا اور ملتان تک پہنچ گیا۔ اس زمانے میں ملتان سندھ کا ہی صوبہ تھا۔ وہ ملتان کو فتح کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کہ دمشق سے حکم آیا کہ واپس آ جاؤ۔ دراصل اس جنگ کے دوران حجاج بن یوسف اور خلیفہ ولید بن عبدالملک کا انتقال ہو گیا اور موجودہ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک (ولید بن عبدالملک کا بھائی) کو حجاج بن یوسف سے پرخاش تھی، جس کا خمیازہ محمد بن قاسم کے معزولی اور قید کی صورت میں بھگتنا پڑا۔ اس کا قید کے دوران ہی انتقال ہو گیا۔

محمد بن قاسم کے سندھ سے چلے جانے کے بعد سندھ اور ملتان کے لوگ اسے اس کے اچھے اخلاق اور کام کی وجہ سے اسے مدتوں یاد کرتے رہے۔ ہندوؤں کا خیال تھا کہ وہ انسان نہیں دیوتا ہے جو انسان کے روپ میں آیا اور سندھ کی حالت سدھار کر چلا گیا۔ مسلمان اس خیال سے بالکل اتفاق نہیں کرتے۔

☆☆☆

سن سٹروک **علامات:** ☆ سن سٹروک کی ابتدائی علامات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کی جلد خشک اور گرم ہو جاتی ہے۔ ☆ پسینہ آنا بند ہو جاتا ہے جس کے باعث آپ کا جسم خود کو ٹھنڈا نہیں کر پاتا۔ ☆ سانس لینے میں کافی دقت ہوتی ہے۔ تیز سانس لینے کی وجہ سے آپ کا سانس پھولنے لگ جاتا ہے۔ ☆ جسم کا درجہ حرارت اور دل کی دھڑکن دونوں اچانک بہت زیادہ بڑھ جاتے ہیں۔ سن سٹروک ہونے کا خدشہ ہمیشہ گرمیوں کے موسم اور تیز دھوپ میں ہوتا ہے۔ اگر آپ اپنا زیادہ وقت دھوپ میں گزار رہے ہیں تو آپ اس بیماری کا شکار ہو سکتے ہیں۔ وہ افراد جو باہر دھوپ میں کام کرتے ہیں بغیر پانی پیئے یا پھر ان لوگوں میں جو کپڑے موسم کے مطابق نہیں پہنتے، ان میں سن سٹروک ہونے کا خدشہ زیادہ ہوتا ہے۔ اگر آپ سن سٹروک سے بچنا چاہتے ہیں تو درج ذیل احتیاطی تدابیر پر عمل کریں۔ **احتیاطی تدابیر:** ☆ خود کو گرمی اور دھوپ سے بچائیں۔ ☆ اپنے کام صبح یا شام کے وقت کرنے کی کوشش کریں۔ ☆ تیز دھوپ میں باہر مت نکلیں اور اگر جانا بہت ضروری ہو تو چھتری یا کیپ یا کپڑا لے کر باہر جائیں۔ ☆ زیادہ سے زیادہ پانی پئیں اور اپنے سر کو گرمی سے بچائیں تاکہ آپ کے دماغ میں موجود ٹمپریچر ٹھیک طرح کام کر سکے۔ ☆ سبزیوں اور پھلوں کے ٹھنڈے مشروبات زیادہ سے زیادہ پئیں۔ ☆ ہمیشہ دھوپ سے ہٹ کر سائے میں چلیں۔ ☆ کھانے میں احتیاط سے کام لیں۔ اگر سلاد اور سبزیوں کا استعمال زیادہ کیا جائے تو بہتر ہو گا۔ ☆ گرمی کے موسم میں ایسے کپڑے پہنیں جو زیادہ موٹے نہ ہوں اور ان میں سے ہوا آسانی سے گزر سکے۔ **سن سٹروک کا علاج:** ☆ سب سے پہلے دھوپ والی جگہ سے ہٹ جائیں اور کسی سایہ دار یا ائرکنڈیشنڈ والی جگہ میں چلے جائیں۔ ☆ جتنا ممکن ہو کپڑوں کو اُتار دیں، خاص طور پر جوتے، جرابیں اور ٹوپی کو ضرور اُتاریں تاکہ آپ کے جسم اور سر کو ٹھنڈک پہنچ سکے۔ اس کے بعد جتنا ہو سکے ٹھنڈا پانی پئیں اور مشروبات کا استعمال لازمی کریں۔ اس سے آپ کو طاقت اور ٹھنڈک بھی ملے گی۔ ☆ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد ٹھنڈے پانی سے ضرور نہائیں۔ ☆ کسی ٹھنڈی اور سیدھی جگہ پر لیٹ جائیں اور ٹھنڈے پانی سے کپڑے کو گیلا کر کے اپنے ماتھے اور سر پر رکھ لیں۔ اگر طبیعت نہ سنبھلے تو ڈاکٹر سے فوراً رجوع کریں۔

?
دماغ لڑاؤ
داؤدی علمی آزمائش

درج ذیل دیئے گئے جوابات میں سے درست جواب کا انتخاب کریں۔

1۔ حضرت داؤدؑ کے ہاتھ میں کون سی دھات نرم ہو جاتی تھی؟

i۔ چاندی ii۔ پیتل iii۔ لوہا

2۔ گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا۔ ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہ نما یہ کلام کس مشہور بزرگ کا ہے؟

i۔ بہاؤ الدین زکریاؒ ii۔ حضرت بختیار کاکیؒ iii۔ حضرت معین الدین چشتیؒ

3۔ جلد کی باہر والی تہہ کو کیا کہتے ہیں؟

i۔ ڈرمس ii۔ ایپی ڈرمس iii۔ لیوسی فیرین

4۔ ایکس رے کس مشہور سائنس دان کی ایجاد ہے؟

i۔ جان ڈنلپ ii۔ ولیم ہاروے iii۔ ولیم رونجن

5۔ علامہ اقبالؒ کا یہ شعر بانگِ درا سے لیا گیا ہے۔ مکمل کیجیے۔

یہی مقصودِ فطرت ہے یہی رمزِ مسلمانی ....

6۔ پنجابی کا شیکسپیئر کسے کہا جاتا ہے؟

i۔ بابا بلھے شاہؒ ii۔ وارث شاہؒ iii۔ بابا فریدؒ

7۔ کس ملک کے پرچم پر اس ملک کے نام کا پہلا حرف لکھا ہوا ہے؟

i۔ برطانیہ ii۔ روانڈا iii۔ سعودی عرب

8۔ گرگٹ لڑائی میں جیت جائے تو اس کا رنگ سرخ اور سبز ہو جاتا ہے۔ بتایئے ہار جائے تو کون سا رنگ بدلتا ہے؟

i۔ جامنی ii۔ مٹیالا iii۔ نیلا

9۔ مٹی کے برتن بنانے میں پاکستان کا کون سا شہر سرِ فہرست ہے؟

i۔ وزیر آباد ii۔ گجرات iii۔ گوجرانوالہ

10۔ پنگ پانگ (Ping Pong) کھیل کا دوسرا نام کیا ہے؟

i۔ بیس بال ii۔ ٹیبل ٹینس iii۔ فٹ بال

جوابات علمی آزمائش مئی 2016ء

1- ناروے 2- جگر 3- حضرت نوحؑ 4- اولے 5- آواز 6- اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر 7- صحارا 8- ایٹمی گھڑی 9- سرمہ 10- سکھر بیراج

اس ماہ بے شمار ساتھیوں کے درست حل موصول ہوئے۔ ان میں سے 3 ساتھیوں کو بذریعہ قرعہ اندازی انعامات دیئے جا رہے ہیں۔

☆ محمد اسلم، کراچی (150 روپے کی کتب)
☆ تماضر ساجد، صادق آباد (100 روپے کی کتب)
☆ احمد حسن، فیصل آباد (90 روپے کی کتب)

دماغ لڑاؤ سلسلے میں حصہ لینے والے کچھ بچوں کے نام بہ ذریعہ قرعہ اندازی: طاہر علی ضیا، اسلام آباد۔ طلحہ خباب علی، تلہ گنگ۔ ملک محمد احسن، راول پنڈی۔ عاتکہ رحیم، جوہر آباد۔ احمد عبداللہ، ملتان۔ مریم خالد، گجرات۔ مائرہ حنیف، بہاول پور۔ مناہل نسیم، اسلام آباد۔ نجم السحر، ملکوال۔ مہک خالد شیخ، لاہور۔ عائشہ صدیقہ، ایبٹ آباد۔ مریم عبدالسلام شیخ، نواب شاہ۔ خدیجہ گل سید، چارسدہ۔ حفصہ اعجاز، بارہ ہملٹ۔ محمد عبداللہ، محمد اسداللہ، محمد سعد شیخ، گوجرانوالہ۔ محمد سیف الرحمٰن، میانوالی۔ رمشاء اکبر قادری، گوجرانوالہ۔ عائشہ اسلم، فیصل آباد۔ عظمیٰ افضل، بورے والا۔ سید محمد حسین شاہ، اٹک۔ تحریم بتول، الفاسوسائٹی۔ حرا ارشد، سارا ارشد، سرگودھا۔ سندس آسیہ، کراچی۔ نشاء اعجاز، جوہر آباد۔ محمد حسن بن خالد، سرگودھا۔ علینا اختر، کراچی۔ علی عبدالباسط، اٹک۔ مریم منیر، قصور۔ شفاء الرحمٰن، فیصل آباد۔ محمد حذیفہ اویس، فیصل آباد۔ طیبہ ارشد، شیخوپورہ۔ ریحانہ ذوالفقار، لاہور کینٹ۔ عائشہ شہزاد، لاہور۔ سمیعہ توقیر، کراچی۔ امام شبیر، فیصل آباد۔ بشریٰ رانا، شیخوپورہ۔ خنساء حسینی، کلورکوٹ۔ ابرار الحق، راجہ جنگ۔ ماریہ اعظم، قلعہ دیدار سنگھ۔ عیبہ زہرہ، لاہور۔ مرزا احسن، فیصل آباد۔ ربیعہ اقبال، کراچی۔ تحریم نور طاہر، گجرات۔ محمد اکرم صدیقی، محمد شریف صدیقی، میانوالی۔ رفیق احمد ناز، ڈیرہ غازی خان۔ عبداللہ یوسف زئی، ایبٹ آباد۔ عدن سجاد، جھنگ۔ عروسہ خالد، اٹک۔ محمد سلیمان بٹ، ساہی وال۔ ایان جاوید، حیدر آباد۔ عثمان حیدر، پشاور۔ ندیم بیگ، نوشہرہ۔ مریم نواز، فیصل آباد۔ بشریٰ بتول، رسال پور۔ نورالامین، اسلام آباد۔ رانا عبداللہ، ملتان۔ سعود الحسن، خانیوال۔ سجاد حیدر، کراچی۔ ثوبیہ سلیم، لاہور۔ ظل ہما، حیدر آباد۔ جلال عابد بٹ، جہلم۔ محمد زبیر ارشد، لاہور۔ عائشہ نذیر، کراچی۔

ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

ایڈیٹر کی ڈاک

مدیرہ تعلیم و تربیت، السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟

اُمید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ مئی کا شمارہ ٹاپ پر تھا۔ تعلیم و تربیت کو پڑھ کر بہت خوشی ہوتی ہے کہ یہ دن دگنی رات چگنی ترقی کر رہا ہے۔ ٹیپو سلطان مجھے بہت پسند ہیں۔ ٹائٹل پر ان کی تصویر دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ لوئی پاسچیر کے بارے میں پڑھ کر معلومات میں بہت اضافہ ہوا۔

(عروج رانا، بشریٰ رانا، پٹیالہ دوست محمد)

☆ پسندیدگی کا شکریہ!

اُمید ہے آپ خیر و عافیت سے ہوں گے۔ میرا خط ردّی کی ٹوکری سے دُور رکھیے گا۔ آپ کا رسالہ بہت اچھا ہے لیکن وقت پر نہیں ملتا۔ اس مسئلے کا حل نکالیے اور میری تمام تحریریں شامل کریں، ورنہ میں کبھی شامل نہیں ہوں گی۔ میں نئی قاری ہوں، میرا حوصلہ بلند کرنے کے لیے میری حوصلہ افزائی کیجیے گا۔ (نشاء اعجاز، جوہر آباد)

زندگی کا پہلا خط وہ بھی تعلیم و تربیت کے نام! اُمید ہے کہ آپ سب خوش آمدید کہیں گے کیوں کہ میں پہلی دفعہ آپ کی اجازت کے بغیر اس ٹیم میں شریک ہوا اور میرے خیال کے مطابق یہ میرے شہر کا پہلا خط ہے۔ تعلیم و تربیت میرا پسندیدہ رسالہ ہے، میں اسے بہت شوق سے پڑھتا ہوں۔ اس ماہ کا رسالہ بہت زبردست تھا۔ اگر آپ نے حوصلہ افزائی کی تو آئندہ بھی ضرور شامل ہوں گا۔

(عبدالرشید یوسف زئی، ایبٹ آباد)

☆ آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔

ماہنامہ تعلیم و تربیت اپنی مثال آپ ہے۔ یہ سورج کی اس کرنوں کی طرح ہے جن کی روشنی ہر جگہ پہ پہنچ جاتی ہیں۔ میری بہنیں ردا، زینب، عائشہ بخاری بھی بہت دل چسپی سے انہیں پڑھتی ہیں۔ میرا ایک چھوٹا بھائی محمد رضا جو ابھی صرف آٹھ نو سال کا ہے، وہ بھی اسے پڑھتا ہے اور اس سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ جیسے ہی تعلیم و تربیت گھر آتا ہے، وہ لے کر بیٹھ جاتا ہے اور کسی کو بھی نہیں پڑھنے دیتا، جب تک خود نہ پڑھ لے۔ (انیلا طالب، گوجرانوالہ)

یہ میرا دوسرا خط ہے۔ سب کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ سب سے پہلے پیارے اللہ کے پیارے نام اور معراج شریف کے بارے میں پڑھا۔ یقین کریں ہمارا تو دل باغ باغ ہو گیا۔ ہماری تو یہ دلی دعا ہے کہ ہمارا پیارا پیارا تعلیم و تربیت ترقی کرتا رہے اور اسی طرح ہم سب کی اصلاح کرتا رہے۔ آمین ثم آمین! اب ہم آتے ہیں کھوج لگایئے کی طرف۔ ہم نے تربوز کا ٹھیک جواب دیا تھا مگر اس کھوج لگایئے میں میرا نام نہیں تھا۔ ہماری تو ننھی منی سی آنکھیں تھک سی گئیں۔ اب ایک کہانی اس اُمید پر بھیج رہی ہوں کہ ماہِ جون میں ضرور شائع ہو گی۔ بہت ہی سوچ سمجھ کر میں نے لکھی ہے۔ اچھا اب اجازت دیں۔ خط اگر پسند آیا تو آئندہ بھی لکھوں گی۔

(غزالہ حبیب، تاندلیانوالہ)

☆ ڈیئر غزالہ! انعامی سلسلوں میں قرعہ اندازی کے ذریعے انعام نکلتا ہے لہٰذا انتظار تو کرنا پڑے گا۔ کیوں ٹھیک ہے ناں......؟

میں رسالہ ’’تعلیم و تربیت‘‘ جون 2002ء سے پڑھ رہا ہوں اور یہ میرا آپ کو پہلا خط ہے۔ اس وقت میں پانچویں کلاس کا طالب علم تھا اور آج ماشاء اللہ ایم فل کر رہا ہوں۔ تعلیم و تربیت میرے بچپن کا دوست ہے۔ اس کا ہر شمارہ لاجواب ہوتا ہے۔ نظمیں، کہانیاں اور معلومات بہت زبردست ہوتی ہیں۔ میرا آپ کو ایک مشورہ ہے کہ تعلیم و تربیت میں پُرانی کہانیاں بھی دوبارہ شامل کی جائیں۔ خاص طور پر 90ء کی دہائی کے شماروں میں جو کہانیاں چھپتی تھیں وہ بہت مزے کی ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ چاچا حیرت کو بھی واپس آنا چاہیے۔ وہ بھی لمبے عرصے سے پتا نہیں کہاں غائب ہیں۔ میرا یہ خط ضرور شامل کیجیے گا اور مشورے پر بھی غور و فکر کیجیے گا۔ شکریہ!

(محمد کاشف خان، راول پنڈی)

☆ ہم تقریباً ہر ماہ پُرانی کہانیاں قندِ مکرر کے نام سے دیتے ہیں۔

اُمید ہے تعلیم و تربیت کی پوری ٹیم بخیر و عافیت ہو گی۔ پورے مہینے کے طویل انتظار کے بعد دل کی بھڑاس...... میرا مطلب ہے کہ دل کی بات کہنے کا موقع ملتا ہے اور رہا سہا موڈ تب خراب ہو جاتا ہے جب خیر سے ہمارا خط ردّی کی ٹوکری کی زینت بن جاتا ہے مگر کیا

کریں، یہ رسالہ ہے ہی اتنا پیارا کہ اس کی محبت پھر خط لکھنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ پلیز! اس دفعہ میرا خط ضرور شائع کر دیجیے گا تا کہ دوستوں میں عزت بنی رہے۔ حسبِ معمول اپریل کا شمارہ بھی کمال تھا اور ''66 دن کا راز'' تو سبقت لے گئی۔ نیا ناول بھی اچھا جا رہا ہے مگر مجھ سے زیادہ میرے محلّہ فیلوز کو زیادہ پسند آ رہا ہے۔ خیر آئندہ کے لیے اللہ نگہبان اور میرا خط کیسا لگا؟ جواب ضرور دیجیے گا، پلیز!

(محمد طیب مقصود، فیصل آباد)

☆ خط اچھا لکھا ہے، آئندہ بھی شرکت کیجیے گا۔

سب سے پہلے میرا سلام قبول کر لیں۔ آپ نے دل توڑ دیا، ہم نے ہمت نہ ہاری۔ آپ نے نام تک شائع نہیں کیا، ہم نے ہمت نہیں ہاری۔ اگر اس بار شائع نہیں کیا تو پھر ہم ہمت ہار دیں گے۔ اگر ہماری چیزیں معیاری ہوں تو ضرور شائع کریں تا کہ ہمت کو کچھ ہمت ملے۔ میں نے مختصر مختصر کے لیے بہت کچھ بھیجا لیکن شائع نہیں ہوا۔ اُمید ہے یہ خط شائع ہو گا کیوں کہ میں نے تنقید نہیں کی ہے۔ معافی چاہتا ہوں، اب اجازت دیں۔

(شاہ زیب اثر، پشاور)

☆ شاہ زیب! ہمیں تعریف کے ساتھ ساتھ تنقیدی خطوط کا بھی انتظار رہتا ہے۔

تعلیم و تربیت بہت اچھا رسالہ ہے۔ یہ دسمبر 2015ء سے ہر ماہ ہمارے گھر آ رہا ہے۔ اس کی تمام کہانیاں، نظمیں اور معلوماتی سلسلے بہت اچھے ہوتے ہیں۔ میں نے پچھلے ماہ سلام کے آداب و فضائل بھیجے تھے مگر وہ شائع نہیں ہوئے جس پر بہت افسوس ہوا۔ خط بھی آپ نے شامل نہیں کیا۔ اس ماہ ایک کہانی اور کھوج لگایئے کا جواب بھیج رہی ہوں۔ پلیز! انہیں ردّی کی ٹوکری کی نذر مت کیجیے گا۔ میری کہانی ''آپ بھی لکھیے'' کے انعامی سلسلے میں شامل کریں۔ تعلیم و تربیت کے نام:

جب تک سورج چاند رہے گا   روشن تیرا نام رہے گا

(آسیہ حسین، احمد پور لمہ)

☆ ڈیئر آسیہ! تحریروں کی اشاعت کے لیے آپ کو انتظار کی زحمت اُٹھانی پڑے گی۔

اُمید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ پوری ٹیم بھرپور انداز میں تعلیم و تربیت کے لیے اپنی ذمہ داریاں سرانجام دینے میں مصروف ہو گی۔ آپ سب کو میری طرف سے آمدِ رمضان مبارک ہو۔ اب تو رسالہ خریدنے کے لیے اتنی بے چین ہوتی ہوں کہ اِدھر مہینے کی پہلی تاریخ ہوتی ہے، اُدھر میں رسالہ لینے کے لیے پہنچ جاتی ہوں۔ ایک چھوٹی سی، ننھی سی شکایت ہے کہ رسالہ باقی رسالوں کی نسبت لیٹ آتا ہے اور پانچ دن ہمارے اسی پریشانی میں گزر جاتے ہیں کہ کب ہمارا رسالہ آئے اور اس کو ہم پڑھیں۔ اس دفعہ بھی رسالہ بہت شان دار تھا۔ زبیدہ سلطانہ کو میری طرف سے سلام جو نئے انداز سے محاورہ کہانی پیش کرتی ہیں۔ تمام کہانیاں سپرہٹ تھیں۔ اللہ آپ سب کو اور ہمارے اس ملک کو ترقی کی طرف گامزن کرے۔ آمین!

(مہک خالد شیخ، لاہور)

☆ ڈیئر مہک اب تو میگزین وقت پر آ رہا ہے۔

ڈیئر ایڈیٹر! پیارے اللہ کے پیارے نام تو سلسلہ رسالے کی جان ہے۔ ہمیں تو تعلیم و تربیت کا نام ہی بہت اچھا لگتا ہے۔ اگر ہم صرف کتابوں کو رٹ کر تعلیم حاصل کر لیں اور ہماری تربیت بالکل نہ ہو تو اس کا کوئی فائدہ نہیں کیوں کہ کتابوں کو تو ہر کوئی رٹ سکتا ہے۔ اصل بات تعلیم کے ساتھ تربیت کا ہونا ضروری ہے۔ ماہنامہ تعلیم و تربیت یہ دونوں فرائض بخوبی انجام دے رہا ہے۔ باہمت بچے نمبر کے لیے ایک کہانی ارسال کر رہی ہوں۔ قابلِ اشاعت ہو تو شائع کر دیجیے گا۔ باہمت بچے نمبر آپ کی بہت اچھی کاوش ہے۔ خاص نمبر کے لیے آپ نے بہت کم وقت دیا ہے۔

(سامیہ رمضان اعوان، شیخوپورہ)

☆ آپ کے تبصرے کا بہت شکریہ!

ان ساتھیوں کے خطوط بھی بہت مثبت اور اچھے تھے، تاہم جگہ کی کمی کے باعث ان کے نام شائع کیے جا رہے ہیں:

محمد سلمان بٹ، ساہیوال۔ تماضر ساجد، صادق آباد۔ مریم منیر، شرق پور شریف۔ رانا محمد عاطف، لاہور۔ عفان الٰہی، شرق پور شریف۔ اسامہ خباب علی، تلہ گنگ۔ ردا زینب بخاری، مریم خالد، رمشاء اکبر قادری، گوجرانوالہ۔ طلحہ خباب علی، احمد علی، تلہ گنگ۔ عائشہ عبدالسلام شیخ، نواب شاہ۔ محمد عمیص خاں، محمد احمد، ڈیرہ غازی خان۔ عائشہ صدیقہ، ایبٹ آباد۔ محمد رمیز بٹ، محمد شاہد جمعہ، زینب عشاق، سعد علی، لاہور۔ کشف جاوید، فیصل آباد۔ آمنہ یٰسین، قلعہ دیدار سنگھ۔ اسامہ سلیم شیخ، قلعہ اسلام۔ ابرار الحق مودودی، راجہ جنگ۔ وقاص احمد قادری، لالہ موسیٰ۔ زینب زیدی، کراچی۔ خدیجہ گل، چارسدہ۔ عائشہ خالد۔ سجاد حیدر، کراچی۔ ثوبیہ سلیم، لاہور۔ رانا عبداللہ، ملتان۔ امتیاز عالم، واہ کینٹ۔ لائبہ بشیر، قلعہ دیدار سنگھ۔ محمد زبیر ارشد، لاہور۔ عائشہ نذیر، کراچی۔ نور الامین، اسلام آباد۔ بشریٰ بتول، رسال پور۔ ندیم بیگ، نوشہرہ۔ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

والد کی دُکان

عشرت پروین

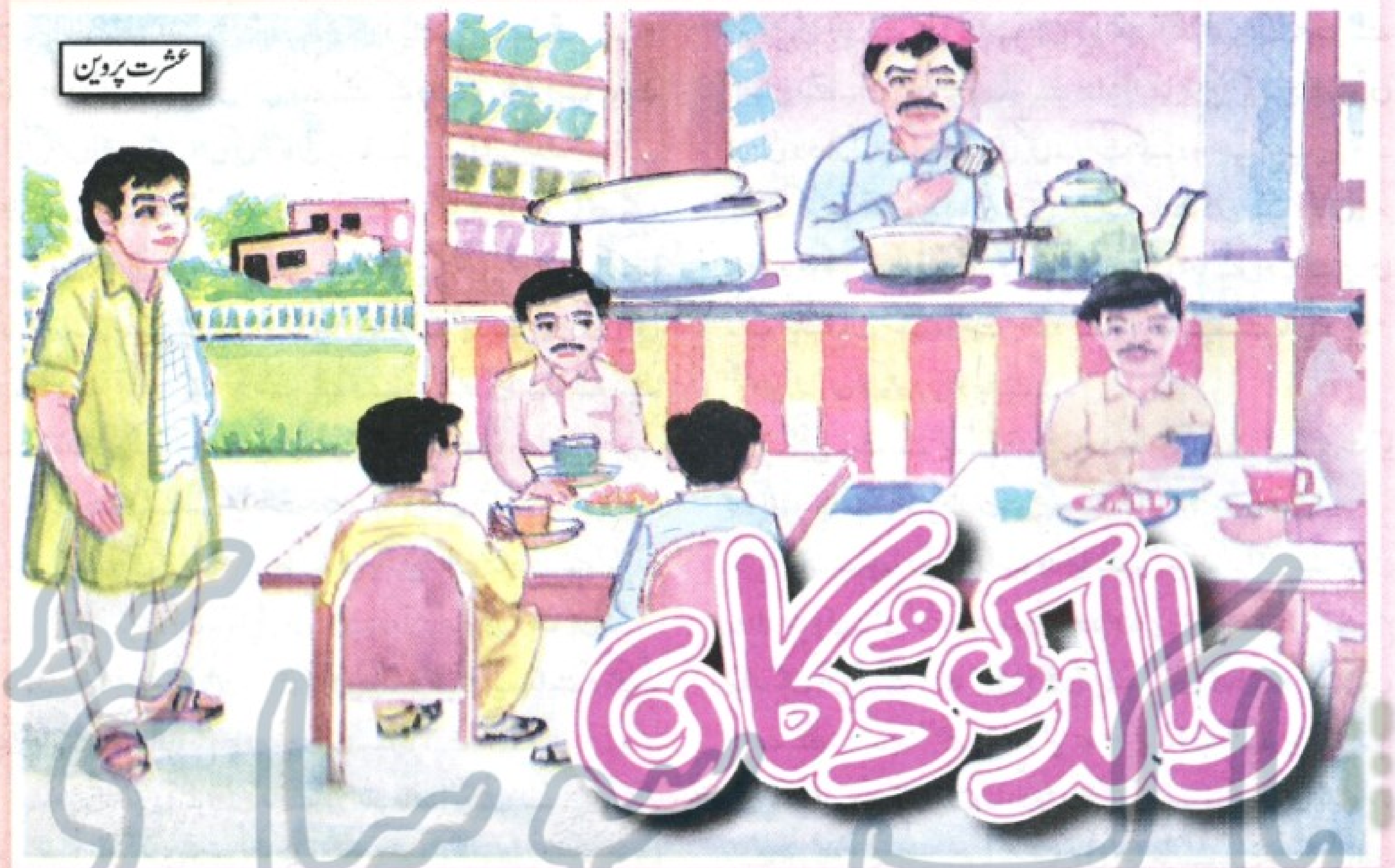

سکینہ آج بہت خوش تھی۔ خوشی اس کے انگ انگ سے جھلک رہی تھی۔ بات ہی کچھ ایسی تھی۔ ایک ہی دن میں دو دو خوشیاں ملی تھیں۔ اس کا بیٹا رشید عرف شیدا میٹرک پاس ہو گیا تھا، وہ بھی سیکنڈ ڈویژن میں اور دوسری خوشی اس بات کی کہ اس نے اپنی ذاتی چائے کی دُکان کھول لی تھی۔ اسی لیے اس نے چھوٹے والے موتی گلاب جامن مسجد میں بھجوائے تھے اور گلی میں بھی سب کے گھر بھیجے۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ساری دُنیا کا منہ میٹھا کر دے۔

شیدا جب چھ سات سال کا تھا تو اس کے ابا کا حادثے میں انتقال ہو گیا تھا۔ وہ راج مستری کا کام کرتا تھا اور چھت سے گر پڑا تھا۔ شیدا اب گھر کا واحد مرد تھا جو پہلی کلاس میں پڑھتا تھا۔ اب ماں اور اس کی چھوٹی بہن کی ذمہ داری بھی اسی پر آ گئی تھی کیوں کہ جو بھی رشتے دار تھے، انہی کی طرح غریب تھے۔ ان کا اپنا گزارہ مشکل سے ہوتا تھا۔ پھر پڑوس والے چاچا نے ایک چائے کی دُکان پر شیدے کو نوکر رکھوا دیا تھا اور سکینہ نے گھر میں سلائی اور ایک گھر میں کام کرنا شروع کر دیا۔ گھر کی گاڑی کسی طرح چل پڑی تھی...... بس شیدے کی پڑھائی چھوٹنے کا غم تھا۔

شیدا خوب دل لگا کر کام کرتا، بھاگ بھاگ کر دُکانوں میں اور گاہکوں کو چائے پہنچاتا۔ جیسے ہی جھوٹے برتن جمع ہوتے دھو کر صاف ستھرے کر کے رکھ دیتا۔ دُکان پر گاہکوں سے تو کبھی کبھار ہی ٹپ ملتی مگر لالہ اکثر خوش ہو کر کچھ نہ کچھ ہاتھ میں رکھ دیتا۔ یہ پیسے تنخواہ کے علاوہ ہوتے تھے۔ اماں بھی یہ پیسے اس سے نہیں لیتی تھی۔ وہ ان پیسوں سے کتابیں کاپیاں خرید لیتا اور رات کو جب گھر جاتا تو تھوڑی پڑھائی کرتا۔ پڑوس میں اس کا دوست اقبال رہتا تھا۔ وہ اس کو اپنی کتابیں اور امتحانی پیپر دیتا اور ضرورت پڑنے پر پڑھا بھی دیتا، سمجھا بھی دیتا۔ اس طرح سے پڑھائی بھی چل رہی تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے نو سال گزر گئے، اس نے نویں میں اچھے نمبر لیے تھے اور دسویں کا پرائیویٹ امتحان بھی دے دیا تھا۔ اب آج کل میں رزلٹ آنے والا تھا اور دُکان کی ساتھ والی مسجد میں جا کر روزانہ سبق لے کر قرآن مجید ختم بھی کر لیا تھا۔ ماشاء اللہ شیدا اب جوان ہو رہا تھا۔ اس کی مونچھیں بھی نکل آئی تھیں۔ اب وہ بہت اچھی چائے بنا لیتا تھا۔ اس کو کاروبار کے سارے گر سمجھ آ گئے تھے۔ اب بھی وہ بہت محنت کرتا۔ اب اس کے ہاتھ کے نیچے بھی ایک چھوٹا آ گیا تھا اور لالہ کافی حد تک شیدے پر انحصار اور بھروسا کرنے لگا تھا۔

آج اتوار کا دن تھا اور چھوٹا طبیعت کی خرابی کی وجہ سے چھٹی پر

تھا۔ سارے کام اور آرڈر شیدے کو ہی دیکھنے پڑ رہے تھے۔ اب تو شام ہوگئی تھی۔ اتنے میں اس کے محلے کے دوستوں کا گروپ کرکٹ کھیل کر واپسی میں اس کی دُکان پر چائے پینے گیا۔ شیدا بہت خوش ہوا تھا۔ اس نے اچھی سی دودھ پتی بنا کر ان کو پلائی، ساتھ میں باقرخانی بھی پیش کی۔ لالہ کرسی پر بیٹھا کاپی میں کچھ حساب کر رہا تھا۔ حساب کتاب کے دوران چشمہ نیچے کر کے شیدے کی حرکتیں بھی نوٹ کر رہا تھا۔ جب دوست پیسے دینے لگے تو شیدے نے لینے سے انکار کر دیا۔ ”آج کی چائے میری طرف سے۔“

دوست بولے۔ ”کیا بات ہے، بڑا سخی بن رہا ہے۔ ابے گھوڑا گھاس سے دوستی کرے گا تو کھائے گا کیا؟ یہ دُکان خرید لی ہے کیا؟“

شیدا ہنستا ہوا بولا۔ ”اپنی ہی سمجھو یار، آم کھا، پیڑ مت گن۔“

”اچھا یار، چلتے ہیں۔ اتنی اچھی چائے کا شکریہ۔ رات کو چوک پہ آجانا۔ تجھے وہاں ہم چائے پلائیں گے۔“

”ہاں! میں آتا ہوں رات کو، اللہ حافظ!“ اس نے برتن سمیٹے ہی تھے کہ لالہ کرسی سے اُٹھ کر آ گیا۔ چہرہ بالکل لال بھبوکا ہو رہا تھا۔ ”شیدے......“ وہ گرجا۔ ”کیا میں نے لنگر کھولا ہوا ہے جو تو مفت میں دوستوں کی دعوت کر رہا ہے۔“

”نہیں نہیں، پیسے تو میں دے دوں گا لالہ۔“

”اور کیا کہا تھا تو نے کہ اپنی ہی دُکان ہے؟ یہ تیرے باپ کی دُکان ہے کیا؟ دو ٹکے کی اوقات نہیں ہے اور چلا ہے اپنی دُکان کرنے۔“

”لالہ باپ تک نہ پہنچو۔ میں نے کہا ناں، میں پیسے دے دوں گا۔“

”تو بڑا پیسے والا بن گیا ہے اور دیکھ، اوقات میں رہ اپنی۔ دوبارہ اپنی دُکان بولے گا تو منہ توڑ دوں گا۔ پتا نہیں کتنی بار اس طرح مفت کی چائے پلائی ہوگی۔“

”وہ پہلی بار آئے تھے لالہ...... قسم سے۔“

”کیسے مان لوں؟“ شیدے کا پورا وجود سنگ کر رہ گیا تھا مگر مالک کے احترام کی وجہ سے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ آخر اس کے بہت سے احسان تھے۔ یہیں وہ چھوٹے سے بڑا ہوا تھا لیکن ایک چنگاری تھی جو دل و دماغ کو آگ لگا رہی تھی۔ رات تک وہ چپ چپ سا تھا۔ کام تو کر رہا تھا لیکن دماغ کہیں اور تھا۔ رات دس بجے دُکان بند ہوئی تو وہ گھر کی طرف چل دیا۔ گھر جانے کی بجائے وہ چوک پر ہی رُک گیا۔ وہاں سب دوست موجود تھے۔ ایک بچے سے ماں کو پیغام بھجوایا کہ اس کو کچھ دیر ہو جائے گی۔

”کیا بات ہے شیدے منہ پر بارہ کیوں بج رہے ہیں؟ بہت تپا ہوا لگ رہا ہے؟ شام کو تو بہت چہک رہا تھا۔“ دوست نے کہا۔

”ارے یار! دماغ خراب ہوگیا ہے۔“ یہ کہہ کر اس نے ساری روداد سنا دی۔ سن کر لڑکے کچھ شرمندہ اور پریشان ہوگئے۔ ”یار ہم بیکار میں ہی آ گئے تھے تیری دُکان پہ۔“ فضل بھائی جو سب میں بڑے تھے، بولے۔ ”خیر، جو ہوگیا سو ہوگیا۔ اب آگے کیا کرنا ہے اس کے بارے میں سوچو۔ دو راستے ہیں ایک یہ کہ وہیں کام کرتا رہے اور چھوٹا ہی بنا رہے یا پھر اپنا کوئی ٹھیا بنا لے۔“

”کیسی بات کرتے ہو بھائی، یہ اتنا آسان ہے کیا؟ ویسے تو میں بھی سوچ رہا ہوں کاش میں اپنی دُکان کر سکتا۔ میں نو سال سے لالہ کے پاس کام کر رہا ہوں لیکن اس نے منٹ نہیں لگایا مجھے ذلیل کرنے میں اور سب سے زیادہ دکھ اس بات کا ہے کہ اس نے

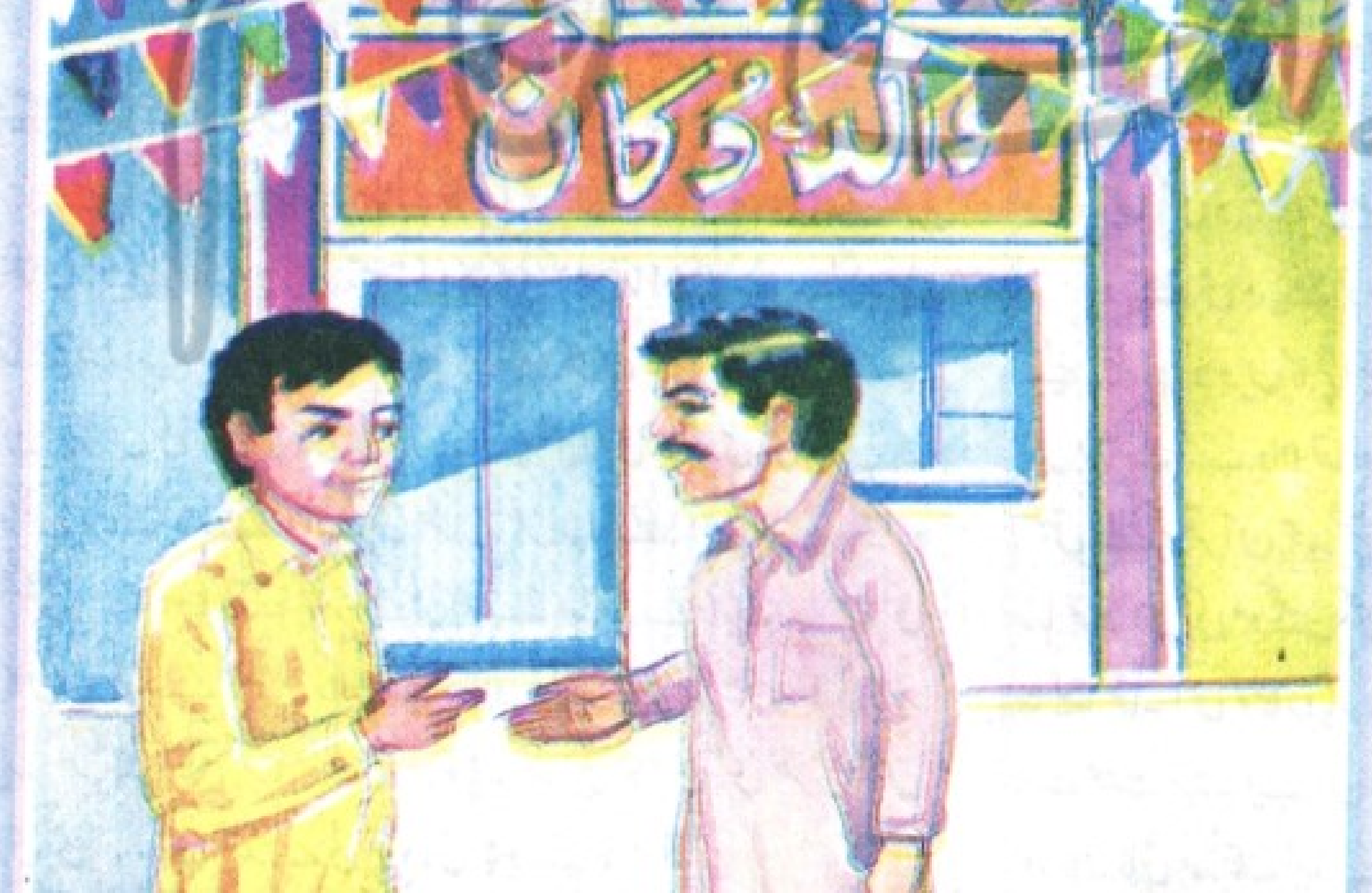

میرے بھروسے کا مان توڑا ہے۔ میں نے کبھی بے ایمانی نہیں کی۔" بہت ضبط کرنے کے باوجود اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"اب میرا دل نہیں چاہتا وہاں جانے کو۔"

"اچھا ناں، چل تو ہمت کر باقی کام اللہ پر چھوڑ دے۔ کرتے ہیں کچھ۔ کتنے پیسے ہیں تیرے پاس؟" دوستوں نے پوچھا۔

"میرے پاس تو نو ہزار ہیں، جمع کیے ہوئے۔"

"یہ تو کم ہیں۔ چلو خیر، میں اپنے باقی دوستوں سے معلوم کرتا ہوں۔" انہوں نے دو تین جگہ فون کیا، ایک جگہ کچھ بات بنتی نظر آئی۔ قریب ہی ایک پان والے دوست کے برابر میں چھوٹی سی دُکان خالی ہوئی تھی، اسی وقت فضل بھائی نے شیدے کو ساتھ لیا اور بائیک پر وہاں پہنچے۔ کچھ بحث کے بعد آخر سودا تین ہزار روپے ایڈوانس اور چار ہزار ماہوار کرایہ پر طے ہوا۔ پیسے ادا کرنے کے لیے دو دن کی مہلت لی۔

واپس چوک آئے تو سب انتظار کر رہے تھے۔ فضل بھائی نے ساری بات بتائی اور کہا کہ اب ہم سب نے مل کر تیس ہزار جمع کرنے ہیں۔ میرے پاس چھ ہزار ہیں، وہ میں کل لے آؤں گا۔ کسی نے تین تو کسی نے پانچ ہزار کا وعدہ کیا، سب نے کل اسی جگہ آ کر پیسے جمع کرنے کا کہا۔

"شیدے تیرے پاس جو پیسے ہیں، اس سے چائے کے برتن، چولہا، دو بنچ اور ایک میز لے آنا۔" یہ اقبال نے کہا تھا۔

"باقی سامان جیسے چینی، پتی، خشک دودھ، الائچی یہ سب میں لے آؤں گا۔" یہ عبداللہ تھا جو پرچون کی دُکان پر کام کرتا تھا۔ باقر خانی اور بسکٹ کا بندوبست بیکری میں کام کرنے والے شہزاد نے کرنے کا وعدہ کیا۔

"چلو یارو، دیکھا اتفاق کی برکت کو؟ بیٹھے بٹھائے ہمارا یار اپنی دُکان کا مالک بن گیا۔ اب تو ہنس دے یارا...... تو ہنستا ہوا ہی اچھا لگتا ہے، چلو چلو کل بہت کام کرنا ہے میرے یار کی دُکان سجانی بھی تو ہے، بہت رات ہو گئی...... اب ہم اگلے اتوار تیری دُکان پر آئیں گے چائے پینے۔ کیا خیال ہے؟ ہاہاہا!" سب نے مل کر ایک جان دار قہقہہ لگایا اور اپنے اپنے گھر روانہ ہو گئے۔

شیدے نے گھر آ کر اماں کو ساری صورت حال بتائی، جو اس کے دیر سے آنے پر فکر مند تھیں۔ انہوں نے لالہ کی بات پر افسوس بھی کیا اور نئی دُکان کا سن کر دعا اور حوصلہ بھی دیا کہ شاید اللہ کو یہی منظور تھا اور لالہ کا ساتھ یہیں تک تھا۔

"میرے پاس بھی چار پانچ ہزار نکل آئیں گے۔ بیٹا! تم فکر نہ کرو۔" بہن بھی دُکان کا سن کر بہت خوش ہوئی تھی۔ دوسرے دن اماں نے کام سے چھٹی کی اور دونوں ماں بیٹا بازار جا کر کیتلی، کپ، چھینک، ٹرے وغیرہ ضروری سامان لے آئے۔ پھر شیدے نے اپنے ایک دوست کے ساتھ غریب آباد جا کر پُرانے سامان میں سے دو بنچ، دو کرسیاں اور ایک چھوٹی سی میز خریدی اور سیدھے دُکان پر پہنچا دیا۔ یہ سب کام کرنے میں شام ہو چکی تھی۔ گھر آئے تو پتا چلا کہ لالہ نے دو مرتبہ لڑکا بھیج کر اسے بلوایا تھا لیکن اب تو فیصلہ ہو چکا تھا۔ کچھ دیر آرام کر کے، رات کا کھانا کھا کر وہ چوک پر پہنچ گیا۔ سارے دوست حسب وعدہ کچھ نہ کچھ انتظام کر کے آئے تھے۔ وہ سب مزدور طبقے سے تعلق رکھتے تھے، مالی طور پر کمزور تھے لیکن ان کے دل بہت بڑے تھے۔ یاروں کے یار تھے۔ کسی پر مشکل وقت آتا تو سب مل کر راستہ نکال لیتے۔ فضل بھائی نے سب سے پیسے لے کر جمع کیے تو کل اٹھائیس ہزار رقم بنی جس کو لے کر فضل بھائی، شیدا اور دو دوست، دُکان والے ٹھیکیدار کے پاس گئے۔ وہاں ایک سادے کاغذ پر معاہدہ لکھا گیا، فریقین کے دستخطوں کے بعد دُکان ایک سال کے لیے شیدے کے نام ہو گئی۔ جو دو ہزار کم تھے اس پر بھی مالک مان گیا تھا۔ یہ اللہ کی مدد ہی تھی۔ اس نے شیدے کی آنکھوں میں سچائی اور آگے بڑھنے کی چمک دیکھ لی تھی اور اس طرح شیدا اپنی ذاتی دُکان کا مالک بن گیا تھا۔

اسی رات دُکان کو رنگ و روغن سے سجا دیا گیا تاکہ دوسرے دن سے کام شروع ہو سکے۔ اب باری تھی دُکان کا نام رکھنے کی۔ کسی نے کہا، رشید ٹی اسٹور، شیدا اس پر شرما گیا۔ کسی نے کہا، باپ کی دُکان، لیکن سب نے کہا یہ اچھا نہیں لگ رہا۔ پھر ایک دوست ایک ٹین کا بورڈ لے آیا اور اس پر نام لکھا "والد کی دُکان" اس پر سب متفق ہو گئے تھے۔

آج بھی اگر آپ شاہ فیصل کالونی کراچی جانے کے لیے ناتھا خان گوٹھ سے سیدھے ہاتھ پر مڑیں تو ایک پان کی دُکان کے ساتھ آپ کو یہ "والد کی دُکان" نظر آئے گی جس کی چائے پینے لوگ دُور دُور سے آتے ہیں۔ ☆☆☆

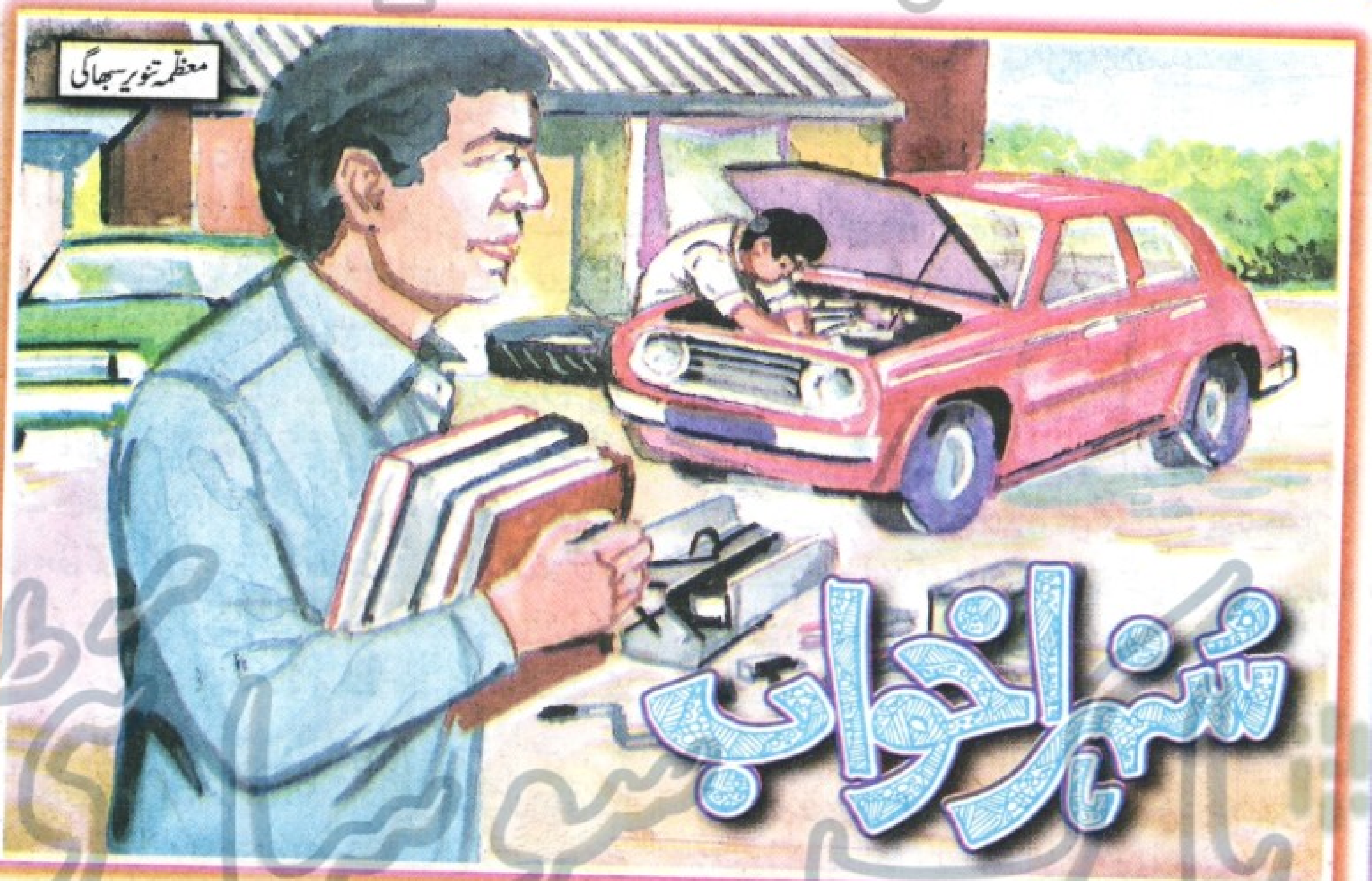

معظمہ تنویر سبھاگی

سنہرا خواب

شمو اپنی جھگی سے باہر دُور سڑک پر نظریں گاڑے، دم سادھے کھڑا تھا۔ بچے اپنے کندھوں پر بھاری بستے اُٹھائے اسکول کی طرف رواں دواں تھے۔ انہیں دیکھ کر اس کے دل میں ایک ہی حسرت اُمڈتی تھی کہ کاش وہ بھی ان بچوں میں شامل ہوتا۔ اسے اپنے ماں باپ یاد آئے جو غریب ہونے کے باوجود اسے پڑھا لکھا کر بڑا آدمی بنانا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لیے وہ دونوں دن رات محنت مزدوری کرتے تھے مگر افسوس ایک حادثے میں وہ ان کی شفقت سے محروم ہو گیا تھا۔

”ابے مردود! تو یہاں کھڑا کیا دیکھ رہا ہے۔ میں کب سے تجھے آوازیں دے رہا ہوں۔ سنائی نہیں دیتا، بہرا ہو گیا ہے کیا؟“

شمو نے مُڑ کر دیکھا، چاچا خیرو کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ ”دھندے کا وقت نکلا جا رہا ہے اور تجھے کوئی پرواہ ہی نہیں۔ اُٹھا یہ کشکول اور صدا لگا، اللہ کے نام پر بابا!“

”میں بھیک نہیں مانگوں گا۔ میں بھک منگا نہیں بنوں گا۔“ شمو نے کشکول زمین پر دے مارا۔

”تیری یہ مجال تو مجھے آنکھیں دکھاتا ہے۔“ خیرو نے اس پر لاتوں اور مکوں کی بارش کر دی۔ مار مار کر اسے ادھ موا کر دیا اور گالیاں بکتے ہوئے چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد شمو دیر تک بے سدھ پڑا رہا۔ اسے اپنے والدین یاد آ رہے تھے۔ آنسوؤں کا تار بندھا ہوا تھا۔ اس کے ماں باپ اسے تعلیم دلوانا چاہتے تھے۔ کسی اچھے اسکول میں داخل کروانے کے لیے انہوں نے کافی رقم بھی جمع کر لی تھی مگر افسوس! زندگی نے انہیں مہلت نہ دی۔ ایک شام وہ دن بھر کی مشقت کے بعد گھر کی طرف لوٹ رہے تھے کہ اچانک ایک تیز رفتار بس نے انہیں کچل دیا اور شمو کے پڑھنے لکھنے کا خواب ٹوٹ گیا۔

چاچا خیرو جو کہ اس کے باپ کا دُور پرے کا رشتہ دار تھا، بظاہر ہمدردی جتلا کر اسے اپنی جھونپڑی میں لے آیا اور پھر اس کے والدین کی خون پسینے سے کمائی ہوئی ساری رقم ہڑپ کرنے کے بعد اسے بھیک مانگنے پر مجبور کرنے لگا مگر شمو نے بھی تہیہ کر لیا تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے، وہ کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلائے گا۔ دوسری طرف خیرو نے بھی ٹھان لی تھی کہ وہ اسے بھکاری بنا کر ہی دم لے گا۔

اس رات خیرو اور اس کی بیوی ناجاں دیر تک اسی کے متعلق

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :۔

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مکمل رینج
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

باتیں کرتے رہے۔ وہ دیکھنے میں سویا ہوا لگتا تھا مگر نیند کوسوں دُور تھی۔ خیرو کہہ رہا تھا۔

''یہ لڑکا تو بڑی ڈھیٹ ہڈی ہے۔ کسی طرح قابو میں آتا ہی نہیں۔ سوچا تھا بھیک مانگے گا تو ہم بھی بیٹھ کر آرام سے کھائیں گے مگر اس منحوس نے تو ایک ہی ضد باندھ رکھی ہے۔''

ناجاں بگڑ کر بولی۔ ''بھلا مجھ سے بڑھ کر اور کون ضدی ہو سکتا ہے۔'' خیرو مکاری سے ہنسا۔

''بس میں نے اس خبیث کا پکا بندوبست کر لیا ہے۔ تکلے کی طرح سیدھا کر دوں گا اسے۔ سارا نخرہ نکال کے رکھ دوں گا۔''

''اچھا، ذرا میں بھی تو جانوں کہ آخر تو ایسا کون سا منتر پڑھے گا جو یہ بدبخت اُٹھ کر بھیک مانگنے لگے گا۔'' ناجاں نے بے صبری سے پوچھا۔

''منتر ونتر اس پر کوئی اثر نہیں کرتا۔ میں اس کے ہاتھ پاؤں توڑ کر اسے اپاہج بنا دوں گا۔'' خیرو نے زوردار قہقہہ لگایا۔

''خیرو تُو تو بڑا ہشیار نکلا۔ میں تو تجھے نرا بلّلا سمجھتی تھی۔'' ناجاں ہنسنے لگی۔ پھر وہ دونوں اس کے خلاف منصوبہ بندی کرنے لگے۔ ان کی باتیں سن کر شمو بُری طرح سہم گیا۔ اس نے خدا سے دعا کی اور سوچنے لگا کہ اس مصیبت سے نمٹنے کے لیے کیا کیا جائے۔

اگلی صبح شمو جھگی سے غائب تھا۔ خیرو نے ہر جگہ اسے تلاش کیا مگر کہیں اس کا سراغ نہ ملا۔

سجاد بھائی کی گاڑیوں کی ورکشاپ پر کام کرتے ہوئے شمو کو پورا ایک مہینہ گزر چکا تھا۔ اس نے اپنی محنت اور دیانت داری سے اپنے مالک کا دل جیت لیا تھا۔ جب اسے پہلی تنخواہ ملی تو وہ حیرت سے روپوں کو تکنے لگا۔ ''بھلا میں اتنے سارے پیسوں کا کیا کروں گا؟'' اس نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

سجاد بھائی مسکرائے۔ ''تم جو چاہو اپنے لیے خرید سکتے ہو۔ کھلونے، مٹھائی یا نئے کپڑے۔ بچوں کے بہت خواب ہوتے ہیں۔''

''لیکن میرا تو ایک ہی خواب ہے، علم حاصل کرنا۔ آپ اس رقم سے مجھے قاعدہ لا دیجیے۔''

شمو کی بات سن کر سجاد بھائی کے چہرے پر ناگواری پھیل گئی۔ ''دیکھو بیٹا! تم بہت مشکل حالات سے گزر رہے ہو۔ نہ تمہارے پاس کھانا ہے، نہ رہنے کے لیے ٹھکانہ۔ بہتر یہی ہے کہ تم پڑھنے لکھنے کا خیال دل سے نکال دو۔ اس کی بجائے تم کوئی ہنر سیکھ لو جو آئندہ زندگی میں تمہارے کام آئے گا۔''

''مگر میں ہنر سیکھنے کے ساتھ ساتھ پڑھ بھی سکتا ہوں۔ میں ایسا کر کے دکھاؤں گا۔'' شمو کا لہجہ پُر عزم تھا۔ جوش سے بھرپور تھا۔ سجاد بھائی نے جو چھوٹے سے بچے کا چٹان جیسا ارادہ دیکھا تو متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ وہ نرمی سے بولے۔

''ٹھیک ہے، میں تمہیں قاعدہ لا دوں گا اور شام کو روزانہ سبق بھی پڑھا دیا کروں گا۔ تم اپنے پیسے سنبھال کے رکھ لو۔''

''مجھے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا اچھا نہیں لگتا۔'' شمو نے بے اختیار ہو کر کہا۔ یہ بات سن کر سجاد بھائی نہ صرف دنگ رہ گئے بلکہ شمو کے گرویدہ ہو گئے۔

اب شمو پوری تن دہی اور دل جمعی کے ساتھ دن بھر کام کرتا اور شام کو روزانہ سجاد بھائی سے سبق پڑھتا۔ بہت کم عرصے میں وہ پڑھنا لکھنا سیکھ گیا۔ انہی دنوں سجاد بھائی کی بیگم کو نیا ملازم رکھنے کی ضرورت پیش آئی۔ وہ شمو کی ایمان داری سے پوری طرح آگاہ تھیں۔ شمو نے اُن کے گھر میں ملازم ہونے کے بعد اپنا کام انتہائی محنت اور سلیقے سے انجام دینا شروع کیا۔ علاوہ ازیں وہ وقت کا بھی بہت پابند تھا۔ بی بی رفعیہ اُس کے کام سے خوش بھی تھیں اور اُس پر اعتبار بھی کرتی تھیں لیکن انہیں اُس کا پڑھنے لکھنے کا شوق بے حد کھٹکتا تھا۔ اُن کے خیال میں علم حاصل کرنا صرف صاحبِ حیثیت لوگوں کے بچوں کا حق تھا۔ اسی لیے وہ اکثر بہانے بنا کر اسے ڈانٹ دیا کرتیں مگر شمو کا حصولِ علم کا جذبہ اور بھی پروان چڑھتا رہا۔ پھر ایک دن اس نے اپنے دل کی بات بی بی رفعیہ کو بتا دی کہ وہ بھی اُن کے بچوں کی طرح اسکول جانا چاہتا ہے۔ یہ سنتے ہی بی بی رفعیہ طیش میں آ گئیں۔

''دماغ تو خراب نہیں ہو گیا ہے تمہارا۔ ذرا اپنی اوقات تو دیکھو۔ یہ منہ اور مسور کی دال۔ آئندہ اگر دوبارہ ایسی بات کی تو نوکری سے نکال دوں گی۔ پھر کھاتے رہنا در در کی ٹھوکریں۔ توبہ، توبہ! فقیرنی کا پوت، چلن امیروں کا۔'' وہ پیر پٹختے ہوئے کمرے سے چلی گئیں۔

اس رات شمو کو دیر تک نیند نہیں آئی۔ اسے بی بی رفعیہ کے طعنے مہنے یاد آ رہے تھے۔ وہ بہت دکھی تھا۔ مایوسی تھی کہ اندھیرے کی طرح بڑھتی چلی جا رہی تھی، پھر نجانے کہاں سے اُمید کی ایک

ہلکی سی کرن نمودار ہوئی اور سارے اندھیرے پر پھیلتی چلی گئی۔ وہ پُرسکون ہو کر سو گیا۔

اس نے خواب میں خود کو اسکول میں پایا۔ وہ پڑھ رہا تھا۔ اس کے بہت سارے دوست تھے۔ اساتذہ بہت خوش دکھائی دیتے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے۔ ’’بھئی، تم نے تو کمال کر دیا! تم واقعی بہت بہادر ہو۔‘‘

’’آج کیا گھوڑے گدھے بیچ کر سو رہے ہو؟‘‘ بی بی رفعیہ کی کرخت آواز سن کر اس کی آنکھ کھل گئی۔

’’اتنی دیر سے آوازیں دے رہی ہوں اور تم یہاں پڑے مزے سے خراٹے لے رہے ہو۔‘‘ وہ دھاڑیں۔ ’’یہ لو، پکڑو سامان کی فہرست اور بازار سے سودا سلف لے کر آؤ۔‘‘ انہوں نے پرچی اسے تھما دی۔

شمسو بے دلی سے اُٹھا اور بازار کی طرف چلا گیا۔ اس شام بی بی رفعیہ نے پہلی بار اپنے شوہر سے شمسو کی شکایت کی۔

’’یہ لڑکا تو بڑے پر پُرزے نکال رہا ہے۔ عجیب و غریب باتیں کرتا ہے۔ کام کا نہ کاج کا، دشمن اناج کا۔‘‘ انہوں نے بے حد مبالغہ آرائی کرتے ہوئے کہا۔

’’مگر تم تو اس سے بہت خوش تھیں۔ آخر ایسا کیا ہوا جو تم اتنی بدل ہو گئیں۔‘‘ سجاد نے حیران ہو کر پوچھا۔

’’کوئی ایک بات ہو تو بتاؤں۔ میں تو آج ہی اسے نوکری سے نکالنا چاہتی ہوں ورنہ یہ مسکین صورت والا آپ کا چہیتا ملازم گھر کا صفایا کر کے چلتا بنے گا۔‘‘ بی بی رفعیہ نے الزام تراشی کی۔

’’افوہ! بیگم حد ہوتی ہے بدگمانی کی۔‘‘ سجاد بولے۔ ’’میں یہ ہرگز ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں کہ شمسو کبھی چوری بھی کر سکتا ہے۔ وہ انتہائی قابلِ بھروسا اور دیانت دار لڑکا ہے۔ ذرا بلاؤ اس کو میں بھی تو جانوں اصل معاملہ کیا ہے؟‘‘

کچھ دیر بعد بی بی رفعیہ شمسو کو بلا لائیں۔ وہ بہت ڈرا ہوا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے ابھی وہ گھر سے نکال دیا جائے گا۔

’’آپ پوچھیں اس سے اب یہ کون سا نیا گُل کھلانا چاہتا ہے؟‘‘ بی بی رفعیہ نے تنک کر کہا۔

’’مجھے معاف کر دیں۔‘‘ شمسو گھٹی گھٹی آواز میں بولا۔ ’’وعدہ کرتا ہوں آئندہ کبھی اسکول کا نام بھی نہیں لوں گا۔‘‘

’’کیا تم اسکول جانا چاہتے ہو؟ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔‘‘ سجاد بھائی نے اسے تھپکی دی۔

بیگم رفعیہ نے غصے اور حیرت سے دیکھا۔ ’’آپ بھی کمال کرتے ہیں؟ بھلا اس طبقے کے بچے بھی تعلیم حاصل کرتے ہیں؟ اس کی تو سات پشتوں میں سے بھی کسی نے اسکول کی شکل نہیں دیکھی ہو گی۔‘‘

’’مگر یہ بچہ ضرور اسکول جائے گا۔ بیگم تم نے اسے پہچانا نہیں۔ یہ ایک انمول ہیرا ہے جسے صرف تراشنے کی ضرورت ہے۔‘‘ سجاد بھائی نے کہا۔ پھر وہ شمسو سے مخاطب ہوئے۔ ’’میں تمہیں کل ہی اسکول میں داخل کرواؤں گا اور تمہارا نیا نام ہو گا شمس الدین بہادر......‘‘

’’اور گھر کا کام کون کرے گا؟‘‘ بی بی رفعیہ چڑ کر بولیں۔

’’میں سارے کام نمٹاؤں گا۔ آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔‘‘ شمس الدین بہادر نے حوصلہ مندی سے جواب دیا۔

ماہ و سال گزرتے چلے گئے اور کوئی مشکل اُس بہادر بچے کا راستہ نہ روک سکی کیوں کہ اُس نے چھوٹی سی عمر میں یہ راز جان لیا تھا کہ اعلیٰ مقاصد کی راہ میں مشکلیں آیا ہی کرتی ہیں۔ جو بزدل ہوتے ہیں وہ گھبرا جاتے ہیں مگر بہادر ڈٹ کر اُن کا مقابلہ کرتے ہیں اور آخر کار اپنی منزل کو پا لیتے ہیں۔

جب میٹرک کے امتحان کا نتیجہ نکلا تو دُنیا حیران رہ گئی کہ ایک یتیم گھریلو ملازم نے صوبہ بھر میں اوّل پوزیشن حاصل کی تھی۔ حکومت کی جانب سے اس کی مزید تعلیم کے لیے تیس لاکھ روپے مختص کیے گئے تھے۔ یوں شمس الدین بہادر ترقی کی منازل طے کرتا چلا گیا اور ایک روز انتہائی ایمان دار اور نڈر پولیس آفیسر کے روپ میں سامنے آیا جس کی زندگی کا مقصد وطنِ عزیز سے جرائم کے خاتمے کے علاوہ گداگری کی لعنت کو مٹانا تھا۔ ☆☆☆

نماز

بدل کر بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
اگرچہ پیر ہے آدم، جواں ہیں لات و منات
یہ اک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات!
(علامہ اقبالؒ)

بنا سکتا ہے خود تقدیر انسان

اک اکیلا، اداس اور تنہا تھا وہ بچہ نہر پہ بیٹھا ہوا
اشک جاری تھے اس کی آنکھوں سے دل تڑپتا تھا اس کی آہوں سے
عمر تھی گو اسکول جانے کی کھیلنے کی، خوشی منانے کی
پر وہ فارغ اُداس بیٹھا تھا تھی کتابیں، نہ پاس بستہ تھا
میں نے رونے کا جو سبب پوچھا روتے روتے وہ یوں ہوا گویا
آج مالک نے بہت مارا ہے نوکری سے مجھے نکالا ہے
چوری کا نام بھی لگایا ہے جیل کا خوف بھی دلایا ہے
سب بہن بھائی مجھ سے چھوٹے ہیں میرے حالات مجھ سے روٹھے ہیں
میرے پیسوں سے چولہا جلتا ہے دال آٹے کا خرچ چلتا ہے
آج گھر میں رہے گا پھر فاقہ دے گی ماں سب کو جھوٹا دلاسہ
یہی سوچا ہے گھر نہ جاؤں میں ڈوب کر آج مر نہ جاؤں میں
سن کے معصوم کی یہ آہ و بکا دل میرا خوف سے لرز اُٹھا
جیب سے سب نکال کر پیسے اس کے ہاتھ پہ رکھ دیئے میں نے
پیسے اس نے تڑپ کے یوں پھینکے اس کے ہاتھوں پہ ناگ ہوں جیسے
پھر بڑے پیار سے وہ کہنے لگا شکریہ آپ کی محبت کا
آپ سے مجھ کو حوصلہ ہے ملا کوئی ہمدرد ہے یہاں میرا
جا کے منڈی میں بوجھ اُٹھاؤں گا آج کچھ لے کے ہی گھر جاؤں گا
خودی پر اس کی مجھ کو پیار آیا کہ یہ انداز اس کا دل کو بھایا
محبت سے پھر اس کا ہاتھ تھاما بڑی نرمی سے اس کو یہ بتایا
اُٹھاؤ بوجھ پر یہ یاد رکھنا تمہیں ہر حال میں ہے لکھنا پڑھنا
پھر اس کے بعد کتنے سال بیتے مگر میں بھول نہ پائی وہ لمحے
بہت کچھ میں نے اس بارے میں سوچا جہاں تک ہو سکا، وہ کر کے دیکھا
اپنی سوچوں میں اک دن میں تھی ڈوبی ابھی تک بس میری آئی نہیں تھی
اچانک رُک گئی ایک کار آ کر کوئی بولا یہ میرے پاس آ کر
کھڑی ہیں ایسی گرمی میں کیوں آخر ہے میری کار کس مقصد کی خاطر
بہت حیران ہو کر میں نے دیکھا کہ میرے سامنے وہ ہی کھڑا تھا
وہ بولا پھر ادب سے سر جھکا کر بہت ڈھونڈا ہے میں نے آپ کا گھر
خوشی سے اس نے پھر مجھ کو بتایا یہی کہ اس نے وعدہ ہے نبھایا
بہت محنت سے ہے لکھا پڑھا وہ کمشنر بن گیا ہے شہر کا وہ
یہ سچ ہے زندگی بہت کٹھن ہے اگر ہمت ہے اور سچی لگن ہے
تو ہو جاتی ہے ہر تقدیر آسان بنا سکتا ہے خود تقدیر انسان

(نسرین نکہت سبزواری)

بلاعنوان

اس تصویر کا اچھا سا عنوان تجویز کیجیے اور 500 روپے کی کتب لیجیے۔ عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 10/ جون 2016ء ہے۔

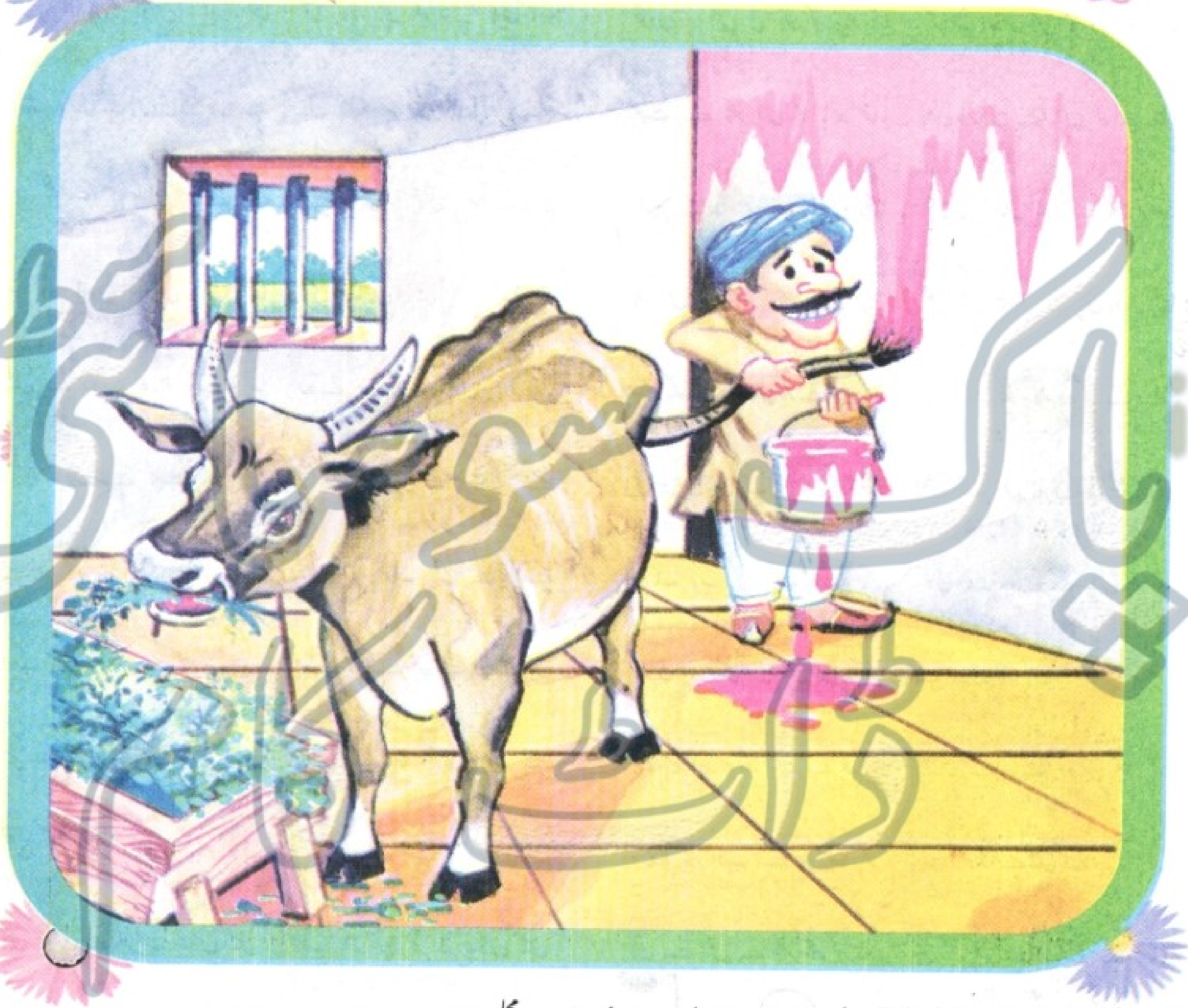

مئی 2016ء کے "بلاعنوان کارٹون" کے لیے جو عنوانات موصول ہوئے، اُن میں سے مجلسِ ادارت کو جو عنوانات پسند آئے، اُن عنوانات میں سے یہ ساتھی بہ ذریعہ قرعہ اندازی 500 روپے کی انعامی کتب کے حق دار قرار پائے۔

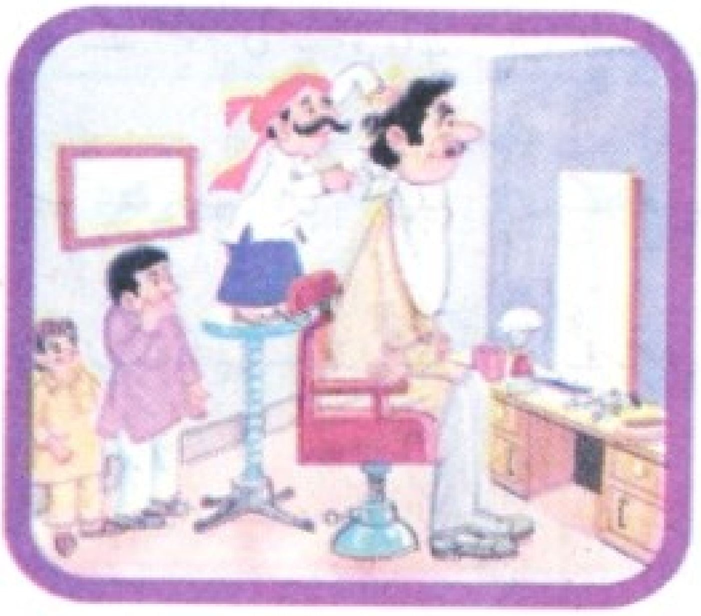

▶ کہاں ملے گا ایسا نائی، جس نے کر دی جگ ہنسائی	(عروبہ فاطمہ، مانسہرہ)
▶ میں چھوٹا ہوں تو کیا ہوا، میں کام کروں گا بڑے بڑے	(مہرین عبدالصمد، رحیم یار خان)
▶ چھوٹا قد بڑی پریشانی، بڑا قد چھوٹی پریشانی	(محمد شعبان، میر پور آزاد کشمیر)
▶ بڑے میاں تو بڑے میاں، چھوٹے میاں سبحان اللہ	(دریثمین، شیخوپورہ)
▶ حجام کے آگے کسی کا بس نہیں چلتا	(ایمان ذوالفقار، قصور)

ہونہار مصور

گرمی آئی گرمی!

تصاویر صرف افقی رخ میں ہی بنائیں۔

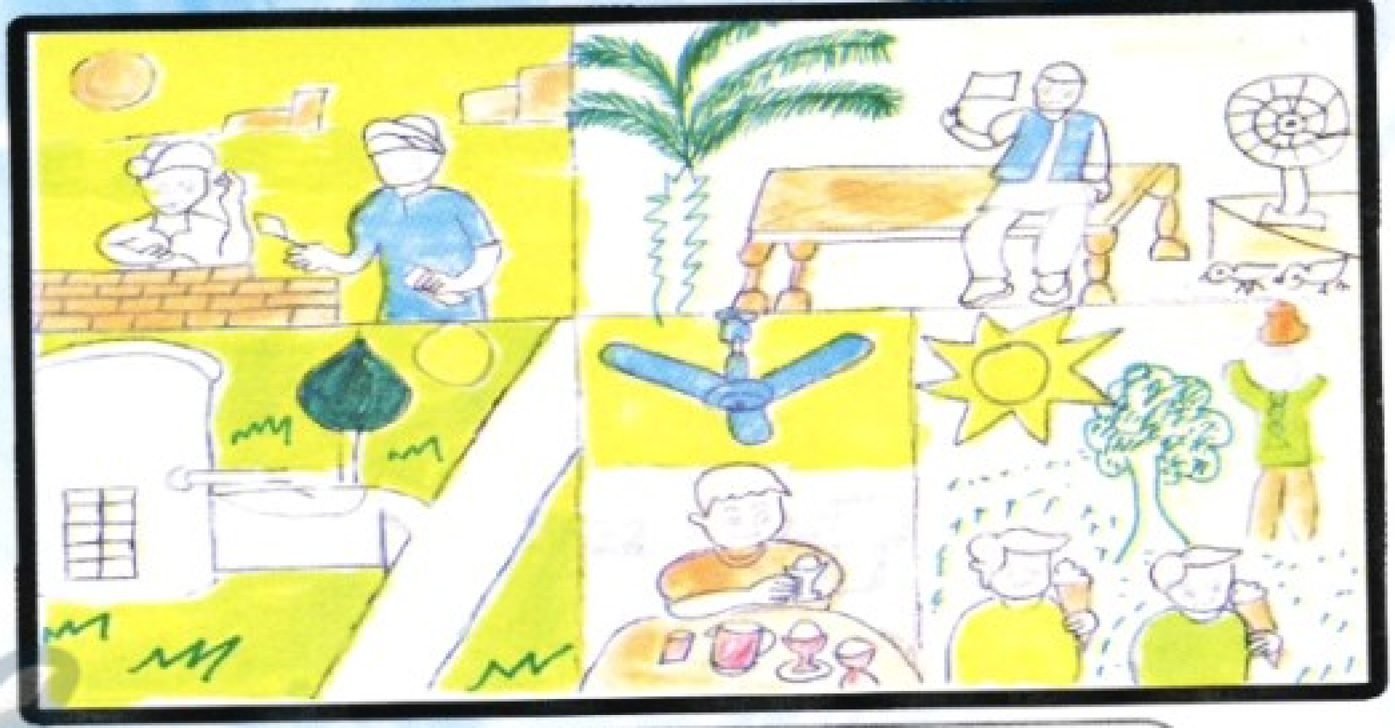

فائزہ رزاق، خانیوال (پہلا انعام: 195 روپے کی کتب)

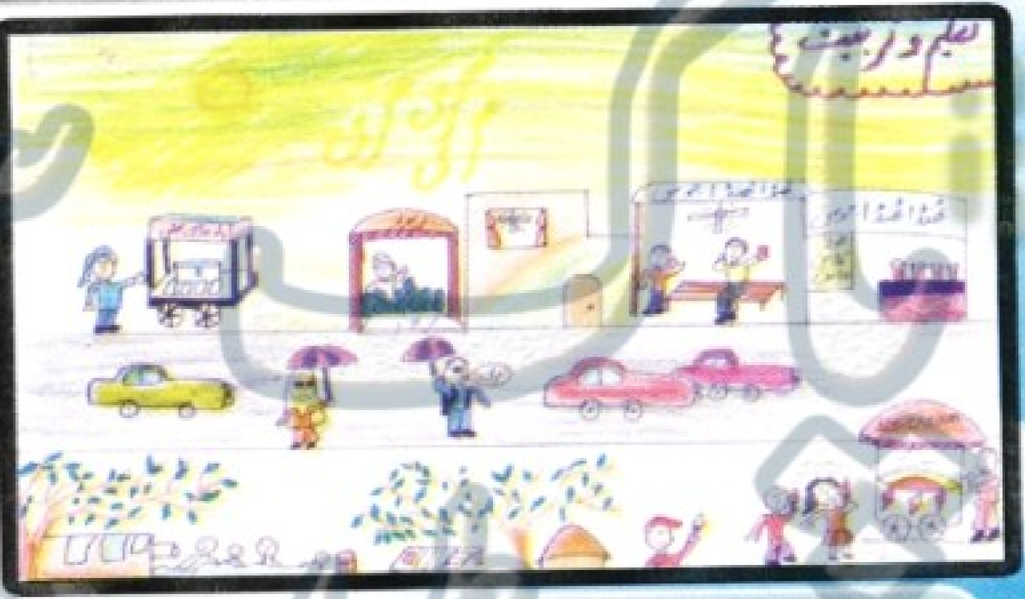

عائشہ ظفر، رحیم یار خان (دوسرا انعام: 175 روپے کی کتب)

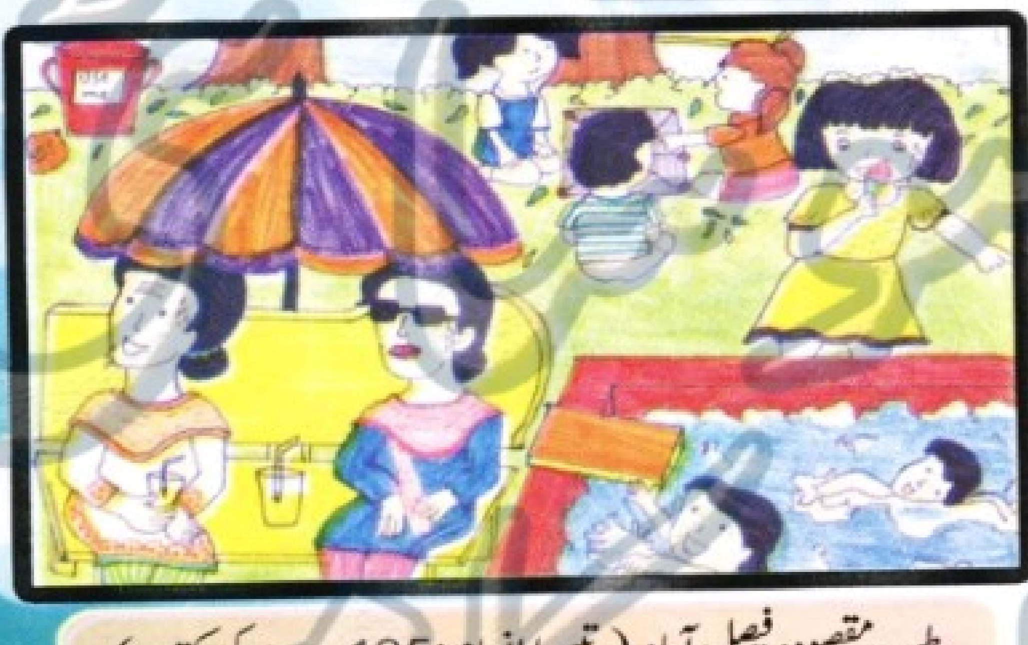

طیب مقصود، فیصل آباد (تیسرا انعام: 125 روپے کی کتب)

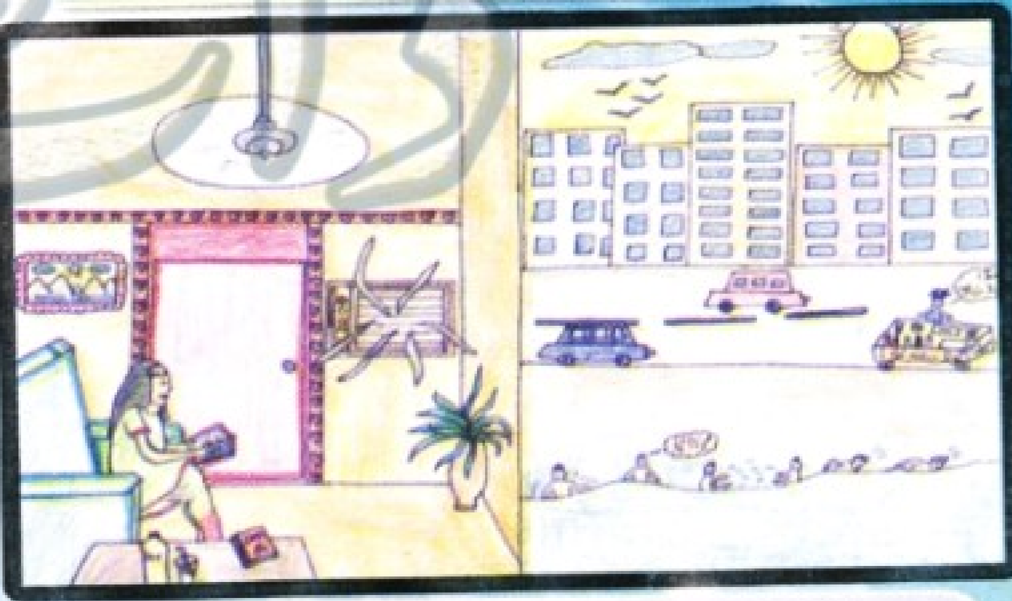

سعیدہ تحریم مختار، لاہور (چوتھا انعام: 115 روپے کی کتب)

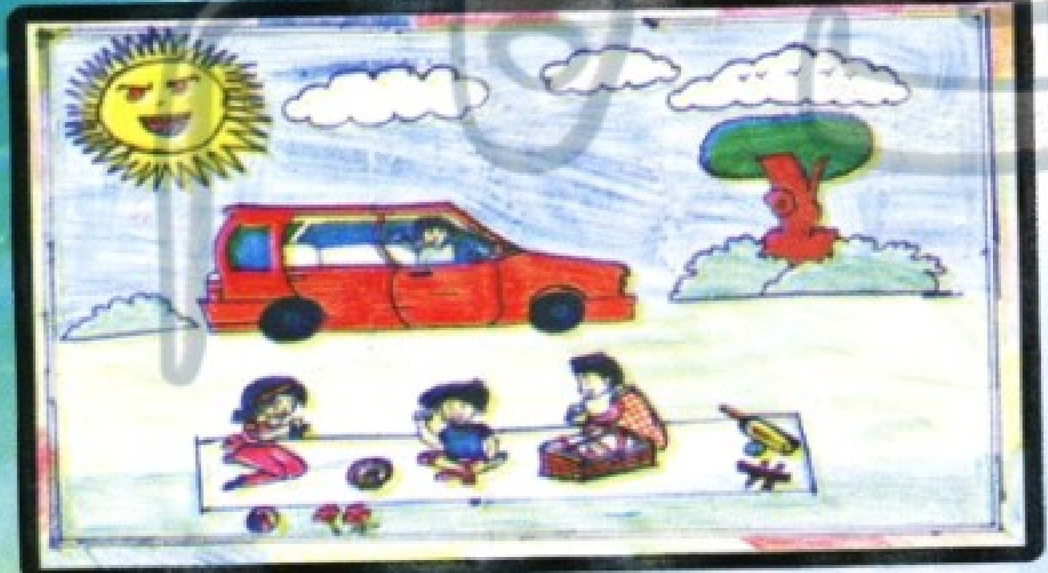

محمد حسین، ملتان (پانچواں انعام: 95 روپے کی کتب)

کچھ اچھے مصوروں کے نام بہ ذریعہ قرعہ اندازی: سمعیہ توقیر، کراچی۔ سیدہ ردا زینب، گوجرانوالہ۔ شہیر ناصر، گکھڑ۔ محمد عبداللہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ محمد زبیر جمشید، جہانیاں۔ بشریٰ حسین، بھکر۔ حمزہ پھول، احمد پور لمہ۔ ایمن فاطمہ، ملتان۔ مسفرہ خلعت، لاہور۔ عائشہ صدیقہ، ایبٹ آباد۔ محمد حذیفہ حسن، لاہور۔ منعم خالد، راول پنڈی۔ عیشہ فاطمہ، فیصل آباد۔ محمد طٰہٰ شفیق، لاہور۔ سونم منظور، پونم منظور، ثمرانہ نعیم، یاسر خان، زینب نثار، عامر، انعم ضیاء، زوہیب ادریس، آسیہ بن وقاص، ایمان اویس، مریم اسلم، نمرہ نثار، حبیب ظفر، یاسین، ذیشان اسماعیل، نویرا نعیم، عائشہ کنول، سمیرا مجاہد، ارم عاشق، ماریہ نثار، فریحہ اقبال، اسماء بتول، صابر خان، نعمان سرور، بشریٰ غلام، عبداللہ غلام، مزمل حمزہ، سعید یوسف، فاطمہ نثار، زائرہ رانجھا، مہک مشتاق، حمنہ نعیم، اسامہ نعیم، عائشہ اویس، احمد وقاص، حبیب غلام، ملتان

جون کا موضوع
آموں کا باغ

آخری تاریخ 8 جون

جولائی کا موضوع
بارش کا ایک دن

آخری تاریخ 8 جولائی

ہدایات: تصویر 6 انچ چوڑی، 9 انچ لمبی اور رنگین ہو۔ تصویر کی پشت پر مصور اپنا نام، عمر، کلاس اور پورا پتا لکھے اور اسکول کے پرنسپل یا ہیڈ مسٹریس سے تصدیق کروائے کہ تصویر اسی نے بنائی ہے۔

طلبہ و طالبات کے لیے فیروز سنز کی معیاری لُغات

فیروز سنز
اردو انسائیکلوپیڈیا
FEROZSONS
PICTURE DICTIONARY
فیروز اللغات اردو جامع
English To English And Urdu Dictionary
فیروز اللغات فارسی۔ اردو
فیروز اللغات اردو جامع
Ferozsons
TWO IN ONE DICTIONARY
ENGLISH TO ENGLISH & URDU AND URDU TO ENGLISH
فیروز اللغات عربی اردو
FEROZSONS CONCISE
ENGLISH TO ENGLISH AND URDU
DICTIONARY
فیروز اللغات اردو جدید
FEROZSONS
CONCISE ENGLISH TO URDU DICTIONARY
URDU ENGLISH DICTIONARY
COVERS A VERY WIDE RANGE AND PROVIDES THE ENGLISH EQUIVALENTS AND SYNONYMS OF OVER THIRTY THOUSAND URDU WORDS, IDIOMS, TECHNICAL TERMS, EXPRESSIONS AND PHRASES, BOTH ARCHAIC AND MODERN.
فیروز اللغات
فیروز اللغات
FEROZSONS
STUDENTS
ENGLISH TO ENGLISH AND URDU
DICTIONARY

فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ
لاہور۔ راولپنڈی۔ کراچی

ہدایات برائے آرڈرز:
پنجاب: 60۔ شاہراہ قائداعظمؒ، لاہور۔ 042-111-626262
سندھ اور بلوچستان: پہلی منزل، مہران ہائیٹس، مین کلفٹن روڈ، کراچی۔ 021-35867239-35830467
خیبر پختونخواہ، اسلام آباد، آزاد کشمیر اور قبائلی علاقے: 277۔ پشاور روڈ، راول پنڈی۔ 051-5124970-5124879